یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین سے مکالمے کا قرآنی اسلوب

مقالہ نگار:

رخسانہ نورین

رول نمبر: AF-837309

رجسٹریشن نمبر: NHP-0519-03

مکان نمبر: 1664، گلی نمبر 26،

سیکٹر آئی ٹین، ٹو، اسلام آباد۔

نگران تحقیق:

ڈاکٹر ثناء اللہ

اسٹنٹ پروفیسر

شعبہ قرآن و تفسیر

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی،

اسلام آباد۔

شعبہ قرآن و تفسیر

کلیہ عربی و علوم اسلامیہ

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

سیشن: 2009 — 2011

FORWARDING SHEET

The thesis entitled:

"یہود، نصاری، مشرکین اور منافقین سے مکالمے کا قرآنی اسلوب"

Submitted by Rukhsana Noreen in fulfillment of the requirement for the M.Phil Degree in Islamic Studies has been completed under my Guidance and supervision. I am satisfied with the quality of student's research work and allowed her to submit her thesis.

Signature:___________________

Dr. Sanaullah,
Department of Islamic Thought,
Faculty of Arabic & Islamic Studies,
Allama Iqbal Open University,
Islamabad

DECLARATION

I Rukhsana Noreen Roll-No: AF-837309 a student of M.Phil leading to PH.D in Islamic Studies in Allama Iqbal Open University, do hereby solemnly declare that the thesis entitled

یہود، نصاری، مشرکین اور منافقین سے مکالمے کا قرآنی اسلوب

is submitted in fulfillment in M.Phil Islamic Studies Degree, my original work has not been obtaining any degree from this or another University or Institution.

Rukhsana Noreen

APPROVAL SHEET OF THE COMMITTEE

Title of thesis: یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین سے مکالمے کا قرآنی اسلوب

Name of student: Rukhsana Noreen

Accepted by the faculty of Arabic & Islamic studies, Allama Iqbal Open University, for partial fulfillment of requirement of M.Phil Degree in Islamic Studies.

Viva Voce committee:

____

Dean, F/O AIS

____

Chairman

____

External Examiner

____

External Examiner

اشعار

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن، تم ہو،
نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن، تم ہو،
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ، وہ خرمن، تم ہو،
بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن، تم ہو،

ہو نِکو نام جو قبروں کی تجارت کرکے
کیا نہ بیچو گے جو مل جائیں صنم پتھر کے

صفحہ دہر سے باطل کو مٹایا کس نے،
نوع انسان کو غلامی سے چھڑایا کس نے،
میرے کعبے کو جبینوں سے بسایا کس نے،
میرے قرآن کو سینے سے لگایا کس نے،

تھے تو آبا وہ تمہارے ہی، مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو۔

اقبالؒ

انتساب

اپنے رفیق سفر "محمد امین" کے نام
جنکی مدد اور مصابرت کے بغیر میرا اس راہ میں ایک
قدم بھی چلنا مشکل تھا۔ جنکے تعاون سے میں آج
اس مقام پر پہنچی ہوں۔

اظہار تشکر

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اسکا شکر کہ جس نے مجھے حضرت محمدﷺ کی امت میں پیدا کیا اور دعا ہے کہ میرا انجام بھی ان ہی پر ہو۔ آمین۔ اور ہمیں اتنی بے شمار نعمتوں سے نوازا جنکا شکر ادا کرنا بھی ممکن نہیں پھر بھی وہ رحمٰن و رحیم ہر پل ہم پر رحم فرماتا ہے اس عالم الغیب والشادۃ کا شکر کہ اس نے ہمیں حصول علم کا شوق عطا کیا تاکہ ہم اس ذریعہ سے اسکی معرفت حاصل کرسکیں اس مہربان و شفیق کا شکر کہ اتنے مہربان و شفقت کرنے والے والدین سے نوازا، جنکی دعاؤں اور مدد کی وجہ سے آج زندگی کے اس موڑ پر ہوں۔اس علیم و خبیر کا شکر کہ مجھے ایسے نگران مقالہ ملے جنھوں نے میری اس حقیر کوشش میں ہر قدم پر میری بھرپور رہنمائی کی میں اپنے سپروائزرڈاکٹر ثناء اللہ صاحب کی ممنون ہوں کہ انہوں نے میرے اس مقالہ کی تصحیح فرمائی اوراپنے زریں علمی مشوروں سے نوازتے رہے اور میرے مقالہ کو عملی جامہ پہنانے میں بہت تعاون کیا اور باقی تمام اساتذہ نے بھی ہر لحاظ سے میری مدد کی اور مقالہ سے متعلق کتابوں کی معلومات تک میری مدد کی۔

میں ڈاکٹر شاہد رفیع (دعوۃ اکیڈمی) کی بھی بے حد ممنون ہوں جنھوں نے کتابوں کی فراہمی میں میری بھرپور مدد کی۔ میں علامہ اقبال یونیورسٹی، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، دعوۃ اکیڈمی اور شریعہ اکیڈمی کے تمام لائبریری اسٹاف کی بھی تہہ دل سے شکر گذار ہوں کہ ان تمام لوگوں نے میرے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

رخسانہ نورین

رول نمبر:AF-837309

رجسٹریشن نمبر:03-NHP-0519

مقدمہ

ان الحمد لله، نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور
انفسنا ومن سيأت اعمالنا، من يهدالله فلا مضل له، واشهد ان لاالٰه الا الله
وحده لاشريک له، واشهد ان محمدًا عبده ورسوله۔

۱۔يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴿۱۰۲﴾ (آل عمران: ۱۰۲)

۲۔ يَاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ﴿۱﴾ (النساء: ۱)

۳۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۷۰﴾ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۱﴾ (الاحزاب: ۷۰-۷۱)

اللہ رب العالمین جو ساری کائنات کا خالق اور مالک اور فرماں روا ہے۔ اس نے اپنی اس بے پایاں مملکت کے اس حصے میں جسے زمین کہتے ہیں، انسان کو بھی پیدا کیا۔ اسے جاننے اور سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں دیں بھلائی اور برائی کی تمیز دی، تصرف کے اختیارات بخشے اور زمین میں اپنا خلیفہ بنایا۔ اس منصب پر انسان کو مقرر کرتے وقت خداوند عالم نے اچھی طرح اس کے یہ بات ذہن نشین کرائی تھی کہ تمہارا اور تمام جہانوں کا مالک اور حاکم میں ہوں۔ میرے سوا کوئی تمہاری اطاعت وبندگی اور پرستش کا مستحق نہیں۔ دنیا کی یہ زندگی جس میں تمہیں اختیارات دے کر بھیجا جا رہا ہے دراصل ایک امتحان کی مدت ہے جس کے بعد تمہیں واپس میرے پاس آنا ہوگا۔ اور اس امتحان میں کامیابی کے لیے میری کتاب یعنی قرآن سے رہنمائی لینا ہوگی۔ قرآن نے اللہ کی توحید اور

رسولوں کے برحق ہونے پر بڑے حکیمانہ اور بلیغانہ اسلوب سے دلائل دیے
ہیں۔ قرآن میں کئی مقامات پر اللہ نے اپنی مخلوق اور انبیاء اور مختلف مخلوقات
کے ساتھ کلام کیا ہے۔ اس بحث میں اس بات کا بخوبی جائزہ لیا جائے گا کہ
قرآن حکیم نے لوگوں کی تسکین کے لیے بالکل واضح براہین، حکیمانہ اسلوب
اورنصیحانہ دلائل کے ساتھ کلام کیا ہے۔ اللہ کے اپنی مخلوق کے ساتھ مکالمے کے
اشارات قرآن میں کئی جگہ ملتے ہیں۔

موضوع کی اہمیت

قرآن مجید تمام انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا خطاب اور حکم نامہ ہے اور سی آیات معارف کا گنجینہ ہیں انہی آیات میں آیات مکالمہ بھی شامل ہیں۔ان مکالمات میں، اللہ تعالیٰ کے اپنی مخلوقات سے مکالمے، انبیاء کے اپنی امتوں کیساتھ مکالمے اور اللہ تعالیٰ کے یہود نصاری، مشرکین اور منافقین کے ساتھ مکالمے اور دیگر مخلوقات کے آپس میں مکالمے شامل ہیں۔

ان مکالمات میں بنیادی اہمیت مکالمات الٰہی کو ہے۔ کیونکہ یہ خطاب و کلام الٰہی کا مظہر ہیں۔ اور ان سے اللہ تعالیٰ کی جلالت وبزرگی اور مخلوق کے ساتھ تعلق کا بخوبی ادراک کیا جاسکتا ہے۔ مکالمات الٰہی کا مطالعہ اس لیئے بھی اہم ہے کہ ان مکالمات کے ذریعے ہستی باری تعالیٰ کا تعارف مخلوق کے سامنے پیش ہوتا ہے اور مکالمات اس لیئے بھی اہم ہیں کہ یہ دعوت الی اللہ کے وسائل میں سے ایک اہم وسیلہ ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے یہود، نصاری، مشرکین اور منافقین کے ساتھ مکالمہ کر سکتے ہیں۔ مکالمات کے قرآنی اسلوب کا مطالعہ اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ دور حاضر میں اختلاف کو ختم کرانے کی ایک حکمت عملی مکالمہ کا فروغ ہے اور قرآن سے بہتر اسلوب مکالمہ کہیں اور سے ملنا ممکن نہیں۔ لہٰذا دور حاضر میں مکالمہ کے قرآنی اسلوب کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے خاص اہمیت رکھتا ہے تاکہ اسے دعوت تبلیغ کے میدان میں بحسن وخوبی استعمال کیا جاسکے اور تہذیبوں کے تصادم کو ختم کیا جاسکے۔ اور مختلف مذاہب تک اسلام کا پیغام بحسن و خوبی پہنچایا جاسکے۔

سابقہ معلومات کا جائزہ

مکالمات قرآنی پر مختلف علمی شخصیات نے کام کیا، جن میں سے چند شخصیات کا ذکر ضروری ہے جنہوں نے اس موضوع پر اپنا قلم اٹھایا۔

ا۔ العلامہ محمد حسین فضل اللہ : محمد حسین فضل اللہ نے اس موضوع پر کتاب "الحوار فی القرآن" لکھی ہے۔

۲۔ محمد راشد دیماس: محمد راشد دیماس نے اس موضوع پر "فنون الحوار والاقناع" مرتب کی۔ جس میں "حوار" مکالمہ کے اہم قواعد وضوابط بیان کیے گئے ہیں۔

۳۔الشیخ محمد سید طنطاوی: الشیخ سید طنطاوی نے اس موضوع پر "ادب الحوار فی الاسلام" کے نام سے کتاب لکھی۔

اسلوب تحقیق

اس مقالہ کی تحریر اور تیاری کے لیے بنیادی مصادر سے استفادہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاہم ثانوی مصادر سے بھی مدد لی گئی ہے۔ مقالہ کی تحریر کے لیے عام فہم اور سہل انداز تحریر اپنانے کی کوشش کی گئی ہے۔قرآن کی وہ آیات جو مکالمہ "الحوار" سے متعلق ہیں انہیں جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ابواب کی تقسیم

یہ مقالہ تین ابواب پر مشتمل ہے اور یہ ابواب مزید فصول میں تقسیم کیے گئے ہیں۔

پہلا باب: پہلے باب میں مکالمہ کا تعارف، معنی ومفہوم، مکالمہ و مناظرۃ میں فرق، مکالمہ اورجدال میں فرق اور مکالمہ کے آداب و ضوابط بیان کیے گئے ہیں۔اوراس کے ساتھ ساتھ الحوار فی ضوء الکتاب والسنۃ کو بھی زیر بحث لایا گیاہے۔

دوسراباب: دوسرے باب میں قرآن حکیم سے مکالمہ کے نظائر واسلوب پیش کیے گئے ہیں اور ساتھ ہی سنت رسول سے بھی مکالمہ کے نظائر پیش کیے گئے ہیں۔

تیسراباب: تیسرے باب میں قرآن میں اللہ تعالی کے یہود، نصاری، مشرکین اور منافقین سے ہونے والے مکالمات پیش کیے گئے ہیں۔اور ان چاروں گروہوں کے تفصیل بھی بیان کی گئی ہے۔

اختصارات

دوران تحقیق درج ذیل نکات کو اسلوب تحقیق کے طور پر استعمال کیا گیا ہے:

۱۔مقالہ کو پہلے تین ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر باب کو خصوصی نام دیا گیا ہے۔

۲۔ہر باب کو پہلے فصول اور پھر مباحث میں تقسیم کیا گیاہے۔

۳۔دوران تحقیق آیات قرآنی اور احادیث واصطلاحات کا حوالہ حاشیہ میں دیا گیاہے۔

۴۔ حوالہ کے اندراج میں اختصار کے لیے جلد کے لیے (ج) اور صفحہ کے لیے (ص)
علامت کو استعمال کیا گیا ہے۔

۵۔ دوران تحقیق آیات کو (۔۔۔) میں ظاہر کیا گیا ہے میں نے اس مقالے کو تحریر کرتے
ہوئے پوری کوشش کی ہے کہ یہ تحقیقی تقاضوں کے اعتبار سے نہایت ہی قابل اعتماد ہو
لیکن بشری کمزوریوں کے سبب اس میں خطا اور غلطی کا امکان بہر حال موجود رہے گا اگر اس
مقالے میں کوئی کمی یا کوتاہی نظر آ جائے تو اسے میری بشری کمزوری پر محمول کیا جائے و
صرف نظر کی جائے۔

فہرست ابواب

یہود، نصاریٰ، مشرکین اور منافقین سے مکالمہ کا قرآنی اسلوب

عنوان — صفحہ نمبر

الباب الاول

مکالمے کا تعارف

1 : مکالمے کا معنی و مفہوم

مکالمے کا تعارف

تاریخ انسانی آج اپنے تہذیبی اور تمدنی سفر کے ایک بہت نازک موڑ پر کھڑی ہے۔انسانی تاریخ کے سفر کے تاریخ دان پتھر کے دور سے شروع کرتے ہیں اپنے ارتقائی مراحل طے کر کے جدید متمدن دور میں داخل ہو چکا ہے۔جدید دنیا کا سفر پری انڈسٹریل،انڈسٹریل اور پوسٹ انڈسٹریل Era سے گلوبل ویلج میں مدغم ہو رہا ہے۔جہاں انسان نے اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے جغرافیائی اور زمینی فاصلے کم کر دیئے ہیں۔ہم چاہیں یا نہ چاہیں اس گلوبل سوسائٹی سے اپنے آپ کو الگ نہیں رکھ سکتے۔اس تہذیب نے جہاں جغرافیائی فاصلے اور زمینی دوریاں کم کی ہیں وہیں افراد کے باہمی فاصلے کچھ بڑھ سے گئے ہیں۔آج ہر طرف باہمی نفرت،عدم رواداری،تنازعات،خونریزی و قتل کشی،تشدد و ناروا سختی،فساد انگیزی،دل آزاری اور انتشار و فساد کے مظاہرے ہمارے سامنے ہو رہے ہیں۔انفرادی یا اجتماعی سطح پر اس رویہ کا مظاہرہ کرنے والا کوئی "عہد تاریک" کا اجڈ یا وحشی نہیں بلکہ عصر حاضر کا سب سے مہذب و متمدن ہونے کا دعویدار "انسان" ہے۔آج انسانوں کے درمیان فاصلے بڑھ گئے ہیں بات اب افراد کے باہمی فاصلے ختم کرنے کی بجائے "تہذیبوں کے تصادم" تک پہنچ چکی ہے۔کہیں ایسا نہ ہو کہ اس نازک موڑ سے ہم واپس [illegible] سطحی یا پتھر کے دور میں پہنچ جائیں۔

چنانچہ آج ایسے راست اقدام کی ضرورت ہے جس کے ذریعے ترقی کو اسکی معراج کی طرف لے جایا جائے خصوصا مختلف الخیال و نظریات اور عقائد کے حامل گروہ ایک دوسرے کے لئے منافرت و مخاصمت و عداوت کے بجائے محبت و امن اور رواداری و برداشت کے درس کو دہرائیں۔اور اس کے لئے سب سے بہترین طریقہ باہمی مکالمہ ہے۔اور یہ سب مکالمے کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ سیرت النبی ﷺ میں بھی ہمیں نبی کریم ﷺ کے غیر مسلموں سے ہونے والے مکالمات کا ذکر ملتا ہے۔ جیسے بچپن میں بحیرا راہب سے گفتگو اور ورقہ بن نوفل سے مکالمہ اور یہودیوں کے ساتھ مباحثہ جو روح کے موضوع پر ہوا۔ اسی طرح سیرت میں ہمیں نبی کریم ﷺ کا حبشہ کے عیسائیوں کے ساتھ مکالمہ کا پتہ چلتا ہے جو مسجد نبوی میں آپ سے ملے اور باہمی مکالمہ کیا۔

باہمی مکالمہ کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ مناظرہ کی طرح فریق ثانی کو نیچا دکھایا جائے یا اپنا مقصد حاصل کیا جائے اور لوگوں میں اپنی برتری ثابت کی جائے بلکہ مکالمہ اس سے عظیم تر مقاصد کا حامل ہے۔جس میں ایک دوسرے کی اصلاح اور تربیت پیش نظر ہوتی ہے تاکہ دوران گفتگو دوسرے کی غلط آراء کی اصلاح کی جائے اور اگر وہ کہیں غلطی پر ہے تو اس کی نشاندہی کی جائے اور جہاں اس نے کوئی بہت اچھی بات اور قابل تحسین بات کی ہے اسے بلا بغض و عناد قبول کیا جائے۔فریق ثانی کو حقائق پر قائل کیا جائے اور اس کے لیے محبت و الفت کا ماحول اختیار کیا جائے تاکہ نفرت کی بجائے اخلاص پیدا ہو، اور جب مجلس سے اٹھے تو مخالفانہ آراء پر بھی ہمدردی سے غور کرے۔

فریقین کے ذہنوں میں پہلے سے موجود تعصب ، نفرت اور مقابلے کے رجحانات کا خاتمہ اچھے ماحول میں مکالمہ کا اولین مقصد ہوتا ہے تاکہ آئندہ کے لیے ربط و تعلق کے راستے اور بڑھیں اور ثقافتیں اور قریب آئیں۔ دوستانہ ماحول میں ایک دوسرے کے نظریات کو سمجھنے اور پرکھنے کا موقع ملے۔

مکالمہ یا باہمی گفتگو جو دور حاضر کا اہم موضوع بن چکا ہے اور ابلاغ کی زبان میں اسے ڈائیلاگ کہا جاتا ہے۔مغرب و مشرق کے دانشور اس کی طرف دعوت دے رہے ہیں ۔ مکالمہ کی یہ وہ قسم ہے جس میں دو تہذیبوں کے درمیان مقابلہ اور کشمکش کے اظہار کے بعد سوچا جانے لگا ہے۔

اہل مغرب سائنسی علوم ،عسکری مہارت ، ابلاغیات ،صنعت و حرفت میں ترقی کے ساتھ ساتھ سیاست میں اور سیاسی نظریات میں بھی نام پیدا کیا ہے ۔آج عالم اسلام تنزلی کا شکار ہے مسلم ممالک کو تیسری دنیا کا درجہ دیا گیا ہے ۔ہر قسم کی مادی طاقت یورپ اور امریکہ کے پاس ہے مسلمان ٹکڑوں میں بٹ چکے ہیں جن کا عالمی سیاست پر کوئی اثر نہیں ۔مسلمان حکمران مغربی آقاؤں کی بولیاں بول رہے ہیں اس تنزلی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مغرب کی تہذیبی یلغار نے مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت ،تمدن و معاشرت ،اخلاقیات و روایات ،اقدار و غیرت کو جڑوں سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔اس کے باوجود مغرب کے ماہرین اور فلاسفر آج بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر تہذیبوں کا کوئی مقابلہ ہوگا تو صرف مسلمانوں اور اہل مغرب کے درمیان ہو گا۔ اسلام چونکہ عالمی دین اور آفاقی نظام حیات رکھتا ہے اس لیے جدید ترین دنیا میں انھی دونوں کا مقابلہ ہوگا۔ ان حالات میں مکالمہ کے تناظر میں دیکھنا یہ ہے کہ کن موضوعات پر مکالمہ ہو سکتا ہے؟ تہذیبوں کی کشمکش مکالمہ کے ذریعے ختم ہو سکتی ہے یا نہیں؟

اللہ تعالی نے انسانی ہدایت کے لیے قرآن مجید نازل کیا جیسا کہ فرمایا "ھدًى للنّاس" یعنی "یہ انسانوں کے لیے راہ ہدایت ہے" تاکہ انسانوں کو کامل راہنمائی دی جا سکے۔ اس لئے عصر حاضر کے کسی بھی مسئلہ کے بارے میں جب بھی ہمیں کوئی راہنمائی درکار ہو یا بنیادی اصول و ضوابط وضع کرنے ہوں تو اس کے لیے براہ راست قرآن مجید سے راہ ہدایت لینا ہی احسن ہو گا اگر ہم کسی اور سمت دیکھیں گے تو شاید گمراہی کی طرف چل پڑیں۔ اس لئے مکالمے کے لیے بھی جب ہم کلام اللہ سے رجوع کرتے ہیں تو چند بنیادی نکات سے روشناس ہوتے ہیں جن میں مکالمہ کے لیے اصول وضع کیے گئے ہیں ۔ زیر نظر مکالمہ میں بھی ان اصولوں کو بیان کیا جائیگا۔

کیوں کہ اس صدی میں انفارمیشن ٹیکنالوجی اور عالمگیریت کے نتیجے میں دنیا کے فاصلے سمٹ گئے ہیں اقوام ایک دوسرے کے قریب آ گئی ہیں اور باہمی تعلقات کو فروغ حاصل ہوا ہے انٹرنیٹ اور میڈیا نے روابط بڑھانے اور ایک دوسرے کی تہذیب و تمدن ،مذہبی عقائد اور معاشرتی رجحانات کو سمجھنے میں آسانی پیدا کر دی ہے۔ اس ماحول میں مکالمہ بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ بلکہ یہ اسلامی دنیا کی ایک ضرورت ہے جس کے ذریعے ہم مغرب کی ثقافتی اور تہذیبی یلغار اور اسلام کے خلاف غلط فہمیوں کا سد باب کر سکتے ہیں۔ یہ مکالمہ افراد ، مذاہب اور تہذیبوں کے درمیان ہو سکتا ہے۔ اس وقت سب سے اہم مسئلہ دنیا میں امن کا قیام ہے جس کا ہر فرد ، ہر حکومت اور ہر مذہب کے پیروکار خواہاں ہے۔ لیکن امن بذریعہ طاقت کا فلسفہ ناکام ہو چکا ہے لہذا اب بذریعہ مکالمہ کی کوشش کی جانی چاہیے۔

مکالمہ کا معنی و مفہوم:

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہیں جس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے گویائی اور قوت بیان سے نوازا۔ درود وسلام ہوں نبی ﷺ پر جو کہ انسانوں میں سب سے زیادہ فصیح تھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کو جس سب سے بڑی نعمت سے نوازا وہ زبان کی قوت اور بیان کی صلاحیت ہے۔ اسی صلاحیت سے انسانی زندگی کے بڑے حصے کا تعلق ہے۔ انسان حقوق اللہ، حقوق العباد اور دعوت و تبلیغ اور روزمرہ کے امور اسی زبان سے ہی ادا کرتا ہے۔ لہٰذا داعی کے لئے دعوت و تبلیغ میں جن اہم وسائل کی ضرورت ہے ان میں سے ایک بڑا اور اہم وسیلہ زبان، اس کا استعمال اور گفتگو کا انداز ہے۔ اور دعوت کا ایک اہم ذریعہ مکالمہ ہے۔

مکالمہ کی تعریف:

مکالمہ بات چیت کی وہ قسم ہے جو دو اشخاص یا دو ٹیموں کے درمیان ہوتی ہے اس میں باتوں کا تبادلہ فریقین میں برابری کی بنیاد پر ہوتا ہے چنانچہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں ہوتی۔ سکون اور اطمینان کی فضا ہوتی ہے، جھگڑے اور تعصب و عناد سے دور رہ کر تبادلہ خیال ہوتا ہے۔ مکالمہ کے لئے عربی لفظ "الحوار" استعمال ہوتا ہے۔

لغوی معنی:

لسان العرب میں حوار کی وضاحت یوں ہے:

الحوار "الرجوع والمراجعة والرد. فقد جاء في اللسان " (الحوار) : هو الرجوع عن الشيء إلي الشيء وحار إلي الشيء عنه: حوراً محاوره وحؤوراً، رجع عنه ، وإليه"[1]

لغت میں حوار کئی معنوں میں آیا ہے: ایک چیز سے دوسری چیز کی جانب رجوع کرنا یا رخ کرنا ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف متوجہ ہونا۔ لغت میں اس کے اور بھی مصادر آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إنه ظن أن لن يحور﴾[2]

ترجمہ: (اس نے سمجھا تھا کہ اسے کبھی پلٹنا نہیں ہے۔)

والحوار ایضاً: هو النقصان بعد الزيادة، لأنه رجوع من حال إلي حال۔

1- لسان العرب، جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور، دار الأحياء التراث العربي، بيروت، ط: 1، 1988: 3/383

2- سورۃ الانشقاق: 14

کسی چیز کی زیادتی کے بعد کمی واقع ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

اسی طرح حدیث نبوی ﷺ میں آیا ہے:

(اللهم إني اعوذبك من الحور بعد الكور)[1]

ترجمہ: "اے اللہ میں کسی چیز کی فراوانی کے بعد تنگی سے پناہ مانگتا ہوں"

معجم الوسیط میں حوار کی تعریف:

الحوار: ولد الناقة ساعة تضعه[2]

معجم مقاییس اللغة میں حوار کی تعریف:

والمحور: "الخشبة التي تدور فيها المحالة، وهي البكرة العظيمة التي يستقي عليها"[3]

تاج اللغة وصحاح العربية میں حوار کی تعریف:۔

"والأحور: كوكب، وهو المشتري"[4]

والمحاورة: مراجعة المنطق والكلام في المخاطبة

وتحاوروا: تراجعوا الكلام بينهم وتجادلوا۔

والمحاورة: المجاوبة۔ والتحاور: التجاوب۔ وحوارًا و حوارًا: المجاوبة۔

ويتحاورون: يتراجعون الكلام ۔ والمحاورة: مراجعة الكلام والمنطق في المخاطبة[5]

یہ باب مفاعلہ سے ہے یعنی آپس میں گفت وشنید کرنا ۔ اپنی بات سے رجوع کرنا۔

1- صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج النیسابوری، مکتبہ علی صبیح، القاہرۃ، (د۔ت)، 4/ 105

ایضاً: سنن النسائی، احمد بن شعیب النسائی دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، (د۔ت)، 8/ 272

2- المعجم الوسیط، ابراہیم مصطفیٰ وآخرون، دار الاحیاء التراث، ج: 1، ص: 204

3- معجم مقاییس اللغۃ، ابن فارس، ابوالحسین احمد بن ذکریا، دار الفکر، (1399ھ-1979م)، : 2، ص: 117

4- الصحاح تاج اللغۃ و صحاح العربیۃ، الجوہری، اسماعیل بن حماد، دار العلم للملایین، ط: 3، (1404ھ-1984م)، 2، ص: 640

5- معجم مقاییس اللغۃ، ابن فارس، ابوالحسین احمد بن ذکریا، دار الفکر، (1399ھ-1979م)، : 2، ص: 117

والمحاورة: مراجعة المنطق والكلام في المخاطبة

ويتحاورون: يتراجعون الكلام۔ والمحاورة: مراجعة الكلام والمنطق في المخاطبة۔[1]

حوار کے اصطلاحی معنی:

"نوع من الحديث بين شخصين يتم فيه تداول الكلام بينهما بطريقة ما، فلا يستأثر به أحدهما دون الأخر، ويغلب عليها الهدوء والبعد عن الخصومة والتعصب"[2]

اصطلاح میں حوار کی تعریف تقریباً تمام لوگوں نے یہی کی ہے، الحوار:

هو محادثه بين شخصين أو فريقين، حول موضوع محدود، وكل منهما وجهة نظر خاصة به، هدفها الوصول الى الحقيقة، أوالى أكبر قدر ممكن من تطابق وجهات النظر، بعيداً عن الخصومة أوالتعصب، بطريق يتعمد على العلم والعقل، مع استعداد كلاالطرفين لقبول الحقيقة، ولو ظهرت على يد الطرف لآخر۔"[3]

دو شخص یا فریقین میں کسی ایک موضوع پر گفتگو جن میں دونوں کا ایک خاص نقطہ نظر ہو لیکن اصل مقصد حقیقت تک پہنچنا مقصود ہو۔ کسی بھی جھگڑے اور تعصب سے دور رہتے ہوئے علم اور عقل پر اعتماد کرتے ہوئے دونوں فریقوں کا حقیقت کی قبولیت کی رجحان ، مکالمہ کے بارے میں واضح کیا گیا ہے کہ دو افراد یا جانبین میں تصیح اور شبہات کو دفع کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

ابن حمید حوار کو یوں بیان کرتے ہیں : "هو مناقشه بين الطرفين، أواطراف، بقصد تصيح الكلام واظهار حجة، واثبات حق، ودفع شبهة، وردّالفاسد من القول والرأى"[4]

1- لسان العرب، ابن منظور، ابو الفضل جمال الدين محمد بن مکرم، ماده حور دار صادر، بیروت، ج: ۴، ص: 217-219

2- فنون الحوار والاقناع، دیماس، محمد راشد، دار ابن حزم، ط: 1، (1420ھ-1999م)، ص: 11

3- فی اصول الحوار، اعدداد الندوة العالميه للشباب الاسلامی، الریاض، السعودیة، (د-ت)، ص: 11 اسلوب المحاورة فی القرآن الکریم، عبدالحلیم حنفی، مطبعة السنة المحمدیة القاھرہ، 1977، ص: 10

4- ابن حمید، صالح بن عبداللہ، معالم فی منہج الدعوة، دار الاندلس الخضراء، جدة، ط: 1، (1420ھ-1999م)، ص: 222

دو فریقوں کے درمیان گفتگو ، کلام کی صحت کے اظہار اور عقلی دلیل تک پہنچنا اور حق بات کو ظاہر کرنا،شبہات کو ختم کرنا کسی بھی غلط بات اور رایے کی تردید کرنا۔

الحوار یا مکالمہ کے لیے لازمی شرائط یہ ہیں :

(1) حوار کے لیے طرفین یعنی دو افراد کا ہونا

(2) حوار یا مکالمہ کے لیے موضوع کا ہونا۔

(3) حوار کے لیے پہلے سے کوئی ہدف طے کرنا۔

(4) تعصب اور جھگڑے سے بعد

(5) علم اور عقل پر اعتماد

قران کریم میں حوار کی متعدد مثالیں ملتی ہیں مثلا اللہ عزوجل اور فرشتوں کے درمیان تخلیق آدم کے موضوع پر جو مکالمہ ہوا[1] وہ سورۃ بقرہ کی آیت 30-32 میں بیان ہوا ہے۔

حضرت ابراہیم اور اللہ تعالی کے درمیان ہونے والا مکالمہ سورۃ بقرہ کی آیت 260 میں بیان ہوا ہے۔[2] جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالی سے مکالمہ کرتے ہیں کہ اے اللہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالی کے درمیان "رویۃ" کے موضوع پر ہونے والا مکالمہ [3] سورہ الاعراف آیت 143 میں بیان ہوا ہے۔

"قصة أصحاب الجنتين " میں ہونے والا مکالمہ [4] سورۃ الکھف کی آیت 32 میں بیان ہوا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ،جب وہ اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا ارادہ کرتے ہیں سورۃ الصفات کی 102 آیت میں ان کا مکالمہ بیان ہوا ۔

۱۔سورۃ البقرۃ: 30-32

۲۔سورۃ البقرۃ: 260

۳۔ سورۃ الاعراف:143

۴۔ سورۃ الکھف: 32

حضرت داؤد علیہ السلام کا جھگڑا کرنے والوں کے ساتھ قصہ سورۃ ص کی آیت 21-22 [1] میں بیان ہوا ہے۔
موسیٰ علیہ السلام کا عبد صالح کے ساتھ مکالمے کا ذکر سورۃ الکھف کی آیت 65 [2] میں ہوا ہے۔
حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹوں کا قصہ، مکالمہ سورۃ المائدہ کی آیت 27-29 [3] میں ہوا ہے۔
قران کریم میں اس طرح کی کئی مثالیں موجود ہیں جو مکالمہ کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔
"والأمثلة على ذلك كثيرة فى الكتب العزيز وكلها تدل على أهمية الحوار وخطورته۔ [4]
نبی کریم نے بھی حوار کا طریقہ استعمال کیا جب جبرائیل علیہ السلام کے سوالوں کے جواب دیئے۔
صحیح مسلم کی حدیث کے الفاظ ہیں۔

فعن عمر بن خطاب ـ رضی الله عنه ـ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ جلوس عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ، إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعَرِ، لَا يُرَى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلَى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلَى فَخِذَيْهِ، وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتُقِيمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلًا» ، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ، وَيُصَدِّقُهُ۔ قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيمَانِ، قَالَ: «أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ» ، قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِحْسَانِ، قَالَ: «أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ» ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ، قَالَ: «مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ» قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَتِهَا، قَالَ: «أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ» ، قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ فَلَبِثْتُ مَلِيًّا، ثُمَّ قَالَ لِي: «يَا عُمَرُ أَتَدْرِي مَنِ

1- سورۃ ص: 21-22

2- سورۃ الکھف: 65

3- سورۃ المائدۃ: 27-29

4 ـ فی اصول الحوار، الندوۃ العالمیہ للشباب الاسلامی، دار التوزیع والنشر الاسلامیہ، (1419ھ 1998م) ص: 13-14

السَّائِلُ؟» قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ»[1]

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں بھی حوار کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں ایک شخص کے ہاں بچہ پیدا ہوتا ہے اور وہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ میری بیوی نے کالے بچے کو جنم دیا ہے آپ نے مثال سے قائل کرتے ہیں کہ تمھارے گھر اونٹ ہیں اور وہ لال رنگ کے ہیں مگر کبھی دوسرے رنگ کے بچے بھی ان کے ہاں پیدا ہوتے ہیں۔اس واقعہ کو حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے۔

أن رجلاً أنكر ولده أتى الى رسول الله صلى الله عليه وسلم .فقال: يا رسول الله إن امرأتى ولدت غلاماً أسود. فقال: رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل لك من إبل؟ قال: نعم. قال: مالونها؟ قال: حمر. قال: هل فيها من أورق؟ قال: نعم. قال: فمن أين ذلك؟ قال: لعل عرقاً نزعه. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: (وهذا الغلام لعل عرقا نزعة[2]

حوار اور مناظرہ میں فرق

مکالمہ اور مناظرہ میں فرق ہے۔ گفتگو کرنے والے اور مناظرہ کرنے میں یہ بات تو یکساں ہوتی ہے کہ ان دونوں میں بات چیت ہی ہوتی ہے اور فریقین کے درمیان باتوں کا تبادلہ ہی ہوتا ہے البتہ ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ مناظرہ عام طور پر گفتگو کی چپقلش میں شدت اور اس سے ملتی جلتی کیفیتوں کو کہتے ہیں اور یہی گفتگو میں بحث و کٹ حجتی کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔

مناظرہ کے لغوی معنی یہ ہیں:

"فالمناظرة مشتقة فى أصل اللغة من النظير أو من النظر۔"[3]

لفظ مناظرہ اصل میں "نظر" یا نظیر سے مشتق ہے۔ لیکن اصلاح میں مناظرہ کی تعریف کچھ یوں ہے۔

1۔ صحیح المسلم، مسلم، ابوالحسین مسلم بن الحجاج القشیری النیسابوری، کتاب الایمان، باب: بیان الایمان والاسلام والاحسان ... حدیث (1) دارالفکر، (1403ھ-1983م)، ج: 1، ص 37

2- صحیح البخاری، البخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم کتاب الطلاق، باب: اذا عرض بنفی الولد، رقم الحدیث 5305 داراحیاء التراث العربی، ج: 7، ص 68

3۔ لسان العرب 191/14، القاموس المحیط 144/2

"علم" باحث" عن آحوال المتخاصمين .ليكون ترتيب البحث بينهما على وجه الصواب حتى يظهر حق بينهما"[1]

"ایسا علم جو دو اختلافی نظریوں کے درمیان ایک صحیح اور صائب راہ نکالے یہاں تک کے حق واضح ہو جائے۔

جبکہ حوار (مکالمہ) دو فریقین میں کلام اور بات چیت کے تبادلے کو کہتے ہیں جو ایک فریق سے دوسرے فریق کی طرف اور دوسرے سے پہلے کی طرف منتقل ہوتی رہتی ہے اور اس میں دونوں فریقوں کے درمیان کوئی ایسی کیفیت پیدا نہیں ہوتی جس سے کسی قسم کی کشیدگی اور اور نزاع کی شکل پیدا ہو جائے۔

جبکہ حوار، المحاورة:

"فهو مراجعة الكلام والحديث بين طرفين، ينتقل من الأول إلى الثاني ثم يعود إلى الأول وهكذا، دون أن يكون بين هذين الطرفين ما يدلّ بالضرورة على وجوب الخصومة"[2]

حوار اور جدال میں فرق

جدال جدل سے مشتق ہے۔اسکے لغوی معنی لسان العرب میں یوں بیان ہوئے ہیں۔

"شدة الخصومة، والقدرة عليها، والمجادلة: المخاصمة"[3]

لفظ "جدل" میں جھگڑے کی شدت پائی جاتی ہے۔

"فالجدل والجدال والمجادلة كل ذلك ينحو منحى الخصومة بمعنى أن استخدام هذه المادة يلزم الخصومة، في اي صورة من صورها، ولو بمعنى التمسك بالرأى والتعصب له"[4]

جبکہ اصطلاح میں مجادلہ کی تعریف یوں ہے۔

1- ابجد العلوم 47/1

2- فی اصول الحوار، الندوۃ العالمیہ للشباب الاسلامی، دار التوزیع والنشر الاسلامیہ، (1419ھ-1998م) ص 11

3- لسان العرب، 212/2۔القاموس المحیط 347/3

4- اسلوب المحاورۃ فی القرآن، ص 10

"فهو المفاوضة على سبيل المنازعة والمغالبة ،وقيل:الاصل فی الجدال: الصرع واسقاط الانسان صاحبه علی الجدالة و هی الأرض الصلبة۔"[1]

جبکہ الحوار یا المحاورہ کی تعریف یوں ہے:

"فهو مراجعة الكلام والحديث بين طرفين، ينتقل من الاول الى الثانى، ثم يعود الى الأول و هكذا، دون أن يكون بين هذين الطرفين ما يدل بالضرورة على وجوب الخصومة"[2]

محمد حسین فضل اللہ الحوار اور الجدل میں تفریق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"أن الجدل تحول الى ضاعة يقصدها الكثيرون لذاتها ،من أجل التدرب على الأخذ والرد والدفاع والهجوم فى مجالات الصراع الفكرى، ليعطل قوة خصمة، لا ليوصله الى الحقيقة. أما كلمة "الحوار" فهى أوسع مدلولاً من كلمة الجدال، بأعتبار تضمن الجدال معنى الصرع، بينما نجدالحوار يتسع له ولغيره، مما يراد منه ايضاح الفكرة بطريقة السؤال والجواب"[3]

قرآن کریم میں تین مختلف مقامات پر لفظ الحوار استعمال ہوا ہے۔

اول: ﴿فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالاً وَأَعَزُّ نَفَرًا﴾[4]

ترجمہ: (وہ اپنے ہمسائے سے بات کرتے ہوئے بولا میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور تجھ سے زیادہ طاقتور نفری رکھتا ہوں)

ثانی: ﴿قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاكَ رَجُلاً﴾[5]

ترجمہ: (اس کے ہمسائے نے گفتگو کرتے ہوئے اس سے کہا" کیا تو کفر کرتا ہے اس ذات سے جس نے تجھے مٹی سے اور نطفے سے پیدا کیا اور تجھے ایک پورا آدمی بنا کر کھڑا کر دیا)

1- المفردات فی غریب القرآن ،الاصفھانی ،ابوالقاسم الحسن بن محمد، مکتبہ نزار مصطفیٰ، ط: 1، ج: 1، ص 117

2- فی اصول الحوار، الندو العالمیة للشباب الاسلامی، دار التوزیع والنشر الاسلامیہ، ص: 11

3- الحوار فی القرآن: قواعدہ ،إسالیبہ، معطیاتہ ،فصل اللہ، محمد حسین، دارالملاک، بیروت، ط: 6، (1421ھ-2001ء)، ص: 52

4- سورۃالکھف: 34

5- سورۃالکھف: 37

ثالث:

﴿قَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّتِي تُجَادِلُكَ فِي زَوْجِهَا وَتَشْتَكِي إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ يَسْمَعُ تَحَاوُرَكُمَا إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾[1]

ترجمہ: (اللہ نے سن لی اس عورت کی بات جو اپنے شوہر کے معاملہ میں تم سے تکرار کر رہی ہے اور اللہ سے فریاد کیے جاتی ہے اور اللہ دونوں کی گفتگو سن رہا ہے اور وہ سب کچھ سننے والا اور دیکھنے والا ہے)

پہلی دو آیات سورۃ الکہف میں قصہ صاحب الجنتین سے متعلق ہے جس میں ایک مالدار اور ایک غریب آدمی کے درمیان گفتگو ہے۔اور تیسری آیت ایک عورت کی آپ ﷺ سے گفتگو کے متعلق ہے۔

قرآن مجید میں چند ایک استثنائی صورتوں کو چھوڑ کر مکالمہ اور مجادلہ میں فرق کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔کتاب اللہ میں جدال کا لفظ ایسے مواقع پر استعمال کیا گیا ہے جو ناپسندیدہ اور غیر سنجیدہ ہیں۔

قرآن مجید میں جدال کے الفاظ انتیس (29) مقامات پر آئے ہیں۔

"وأما كلمة الجدال فقد وردت فى القرآن الكريم فى تسعة و عشرين موضعاً۔"[2]

ان سب مقامات پر ان کا مفہوم ناپسندیدہ باتوں پر مظاہرہ کرنے یا غیر سنجیدہ گفتگو کرنے کے ہیں۔جبکہ کلمہ تحاور کے الفاظ تین مقامات پر آئے ہیں جن میں تبادلہ خیال اور دو فریقوں کے درمیان گفتگو کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

قرآن میں جدال کا لفظ ناپسندیدہ معنوں میں استعمال ہوا ہے سوائے چار مقامات کے جو درج ذیل ہیں:

قال اللہ تعالی:

﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ○ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ﴾[3]

ترجمہ: (پھر جب ابراہیم کی گھبراہٹ دور ہو گئی اور اس کا دل خوش ہو گیا تو اسے قوم لوط کے معاملہ میں ہم سے جھگڑا شروع کر دیا حقیقت میں ابراہیم بڑا حلیم اور نرم دل آدمی تھا اور ہر حال میں ہماری طرف رجوع کرتا تھا)

1- سورۃ المجادلۃ: 1

2- المعجم المفہرس لألفاظ القرآن الکریم، محمد فواد عبدالباقی، مؤسسۃ جمال للنشر، بیروت، (د-ت)، ص: 165

3- سورۃ الھود: 74-75

مکالمہ کے آداب و ضوابط

مکالمہ کا مقصد باہمی الفت، ہمدردی اور آپس میں میل جول پیدا کرنا ہے۔ اگر اس اصول کے تحت لوگ آپس میں مکالمہ کریں تو گفتگو میں رنجش اور ناخوشگواری کے امکانات کم ہوتے ہیں بلکہ اس اصول کے ساتھ گفتگو سے انسان میں اعتماد پیدا ہوتا ہے اور باہم تعلقات بڑھتے ہیں اور انسان ہر دلعزیز بن جاتا ہے۔ مکالمہ کے دوران عمدہ طریقے سے جواب دینا چاہیے اس لیے کہ مکالمہ کا مقصد دشمن کو دوست بنانا ہوتا ہے۔ لہٰذا مکالمہ کرتے ہوئے مکالمہ کی غرض و غایت کو پیش نظر رکھا جائے۔ اسلام کے خلاف دریدہ دہنی کے چیلنج سے نمٹنا مقصود ہو تو مسلمان دنیا کو چاہیے کہ اپنے جائز غم و غصے کو پر تشدد انداز میں ظاہر کرنے کی بجائے مغرب کے ساتھ دانشورانہ مکالمہ کی راہ اپنائے۔ مغرب کی جنگی یلغار نے اپنی دہشت گردی اور تعصبات کو چھپانے کے لیے قرآن، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یک طرفہ یلغار کر دی ہے مغربی میڈیا نے عوام کے اندر ہیجان برپا کر دیا ہے جس سے باہمی خدشات، تصادم اور خوف میں اضافہ ہوا۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزر رہا ہے پروپیگنڈہ کی دھول بیٹھ رہی ہے۔ فریب اور طاقت کا پردہ فاش ہو رہا ہے مکالمہ کی ضرورت کا احساس فروغ پا رہا ہے۔ تاکہ جانبین میں سے جس نے سمجھنے میں غلطی کی ہے اسے اس پر غور کرنا چاہیے۔ حکومت کو بھی مکالمے کے فروغ کے لیے سرپرستی کرنی چاہیے اور یہ مکالمہ تمام مذاہب کے علماء اور اسکالرز کے درمیان ہونا چاہیے ۔اس لیے کہ علماء مذہب اور مسائل کا بہتر ادراک اور شعور رکھتے ہیں مکالمہ کی غرض و غایت بہت سی ہیں مثلاً ملکی و معاشرتی مسائل کا حل، لادینیت کا خاتمہ، مذہب کے اثر و رسوخ میں اضافہ اور مذہبی بنیادوں پر ہونے والے تصادم کا خاتمہ کرنا۔ لیکن اس وقت دنیا میں سب سے اہم مسئلہ امن کا قیام ہے لہٰذا مکالمہ بین المذاہب کے ذریعے دنیا میں امن کا قیام اسکی سب سے بنیادی غرض ہو سکتی ہے لیکن ہمیں سب سے پہلے مکالمہ کے آداب کو جاننا چاہیے تاکہ خوشگوار ماحول میں باہم مکالمہ ہو سکے مکالمہ کے آداب درج ذیل ہیں:

۱۔ مکالمہ میں حق گوئی و سچائی:

مکالمہ کے آداب و ضوابط میں سب سے اہم فریضہ بات کہنے میں حق گوئی ہے۔ مکالمہ یا گفتگو کے آداب میں یہ سب سے بنیادی اور لازمی صفت ہے اور یہی وہ صفت ہے جس سے دوسری بہت سی اچھی صفات خود بخود پیدا ہو جاتی ہیں اور انسان گفتار و کردار کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے انسان کے ہر قول و عمل کی درستگی کی بنیاد یہ ہے کہ اسکا دل اور زبان باہم ہم آہنگ ہو۔ اسی کا نام صدق و سچائی اور حق گوئی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی وہ صفت جس سے آپ قبل نبوت اور بعد نبوت متصف رہے ان میں سے دو صفات نمایاں ہیں (1) صادق (2) امین۔ انبیاء کرام کا سب سے پہلا

وصف صدق و سچائی اس لیے ہے کہ ان کی ساری باتیں، دعوی اور دلیلیں سچائی پر قائم ہیں۔اللہ تعالی اپنی کتاب میں مومنوں کی جو بڑی صفات کثرت سے اور بار بار بیان کی ہیں، ان میں سے ایک صدق ہے۔

قال اللہ تعالی: ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظِينَ فُرُوجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُم مَّغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا﴾ [1]

ترجمہ: (بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں مومن ہیں، مطیع فرمان ہیں راست باز ہیں--------------اللہ نے ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے)

اسی طرح قرآن میں ایک اور جگہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿لِيَجْزِيَ اللَّهُ الصَّادِقِينَ بِصِدْقِهِمْ وَيُعَذِّبَ الْمُنَافِقِينَ إِن شَاءَ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ [2]

ترجمہ: (تاکہ اللہ سچوں کو ان کی سچائی کی جزا دے اور منافقوں کو چاہے تو سزا دے اور چاہے تو ان کا توبہ قبول کر لے بے شک اللہ غفور رحیم ہے)

قال اللہ تعالی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾ [3]

ترجمہ: (اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو اور سچوں کا ساتھ دو)

مومن ہمیشہ سچ بولتا ہے کبھی جھوٹ نہیں بولتا سچ بولنے کی وجہ سے وقتی تکلیف اور نقصان کی پرواہ نہیں کرتا اور نہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے ڈرتا ہے مکالمہ کے آداب میں سے یہ ہے کہ حق بات کہنی ہے حق بات کہنے کا وصف شجاعت و بہادری سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اس کی ادائیگی کے لیے ہمت و جرات کرکے دل و دماغ اور زبان سے حق بات کہنا جوان مردی ہے یہ حق گوئی اس وقت زیادہ مشکل ہو جاتی ہے جب بات کرنے والا مادی لحاظ سے کمزور اور مد مقابل طاقتور ہو ۔ اسلام نے اس طرح کی حق گوئی کی تعلیم و ترغیب دی ہے۔

1- سورۃ الاحزاب: 35

2- سورۃ الاحزاب: 24

3- سورۃ التوبۃ: 119

2۔ الاخلاص وصدق النیّة :

داعی کے لیے ضروری ہے کہ کسی بھی شخص سے دعوتی گفتگو اور مکالمہ کرنے سے پہلے اپنی نیت کو جانچ لے کہ اس کی نیت اللہ تعالی کے لیے خالص ہے یا نہیں۔اسوقت تک دعوت کے لیے گفتگو کا آغاز نہیں کرنا چاہیے جب تک نیت اللہ کی رضا کے لیے خالص نہ ہو جائے کیونکہ مکالمہ کرنے والوں پر اپنی علمی برتری اور قابلیت کا اظہار اصل مقصد نہیں اس طرح خود پسندی اور تعریف سے بھی اپنے آپ کو دور رکھنا چاہیے ان باتوں کی وجہ سے انسان کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے۔

﴿لاَّ خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلاَّ مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلاَحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَن يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتَغَاء مَرْضَاتِ اللّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔﴾[1]

ترجمہ: لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر وبیشتر کوئی بھلائی نہیں ہوتی ہاں اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ خیرات کی تلقین کرے یا کسی نیک کام کے لیے لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لیے کسی سے کچھ کہے تو یہ بہت اچھی بات ہے اور جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کرے گا ہم اسے بڑا اجر دیں گے۔

ان آیات میں جو بات واضح ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ انسان کو اپنے آپ پر قابو ہونا چاہیے اور کسی گفتگو میں شامل ہونے سے قبل اسے اچھی طرح ٹٹول کر دیکھ لینا چاہیے۔نیت صرف حق کو واضح کرنا اور لوگوں تک پہنچانا ہو اس کے علاوہ اس میں کوئی اور جذبہ نہیں ہونا چاہیے۔

"ان الغرض من الحوار هو االبحث عن الحق ليتضح.فالحق مطلوب والتعاون على النظر فيه مفيد و موثر ،هكذا عادة السلف الصالح رضى الله عنهم ـ فى تحاورهم ،فقد تدعو الحاجة الى البحث المشترك للتوصل الى الحق مثلاً حدث بين الصحابة ـ رضى الله عنهم ـ فى حوارهم فى مسألة الجدّة ،وحدّ شرب الخمرة"[2]

1- سورۃالنساء : 114

2- إحياء علوم الدين، الغزالی،ابو حامد محمد بن محمد بن،دارالوثائق، القاھرہ،ط: 1،(1420ھ-2000م)، ج: 3، ص: 54

3۔الانصاف والعدل

مسلمانوں کو جن باتوں کے لیے زبان کھولنا ضروری قرار دیا ہے ان میں عدل وانصاف کی گفتگو ہے۔اسلام نے جو بڑی بڑی نیکیاں گنوائی ہیں ان میں جھگڑے والے فریقوں یا آدمیوں کے درمیان صلح کرانا ہے اگر وہ انصاف کی بات کرنے کو کہیں تو انصاف کی بات کرنا لازم ہے۔کیونکہ ارشاد خداوندی ہے:

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى﴾(1)

ترجمہ: اور گواہی دینا ہو یا فیصلہ کرنا ہو) جب بات کہو تو اگرچہ (فریق مقدمہ اپنا) قرابت دار ہی کیوں نہ ہو انصاف کی بات کرو۔

ایک مومن کی تو یہ خوبی ہونی چاہیے کہ سامنے اپنا ہو یا پرایا،دوست ہو یا دشمن ہر حالت میں انصاف کی بات کہنی چاہیے ۔قرآن میں ایک اور جگہ اللہ تعالی فرماتا ہے۔

﴿وَقُلْ آمَنتُ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِن كِتَابٍ وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمُ اللَّهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ﴾(2)

ترجمہ: اور ان سے کہہ دو کہ اللہ نے جو کتاب بھی نازل کی ہے میں اس پر ایمان لایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمھارے درمیان انصاف کروں اللہ ہی ہمارا رب بھی ہے اور تمھارا رب بھی۔

4۔ التواضع وحسن الخلق اور سادہ اسلوب

اپنی بات کو صحیح طور پر بیان کرنے کی قوت ،زبان کی فصاحت اور حسن بیان عمدہ مکالمے اور کامیاب گفتگو کا حصہ ہیں بعض اوقات کتنی صحیح اور عمدہ باتیں اچھی طرح اظہار نہ کرنے کی وجہ سے ضائع ہو جاتی ہیں اور کتنی ہی غلط باتیں اس لیے غالب آجاتی ہیں کہ ان کو پیش کرنے والا بڑا فصیح اور بلیغ ہوتا ہے لہذا مکالمہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ممکن حد تک اپنی زبان و بیان میں سلیقہ اور عمدگی ہو تواضع ،سادہ اسلوب اور حسن خلق سے پیش کی گئی بات دوسرے پر اچھا تاثر چھوڑتی ہے ۔

1- سورۃ الانعام: 152

2- سورۃ الشوری: 15

مکالمہ میں مشکل اور نا موس الفاظ استعمال کرنا فصاحت و بلاعنت نہیں ہے اللہ تعالی اپنی نبی آخر الزماں ﷺ کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ ﴿وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُتَكَلِّفِينَ﴾ (1)

ترجمہ: اور میں اپنی باتوں (باتوں اور کاموں) میں تصنع کرنے والا نہیں۔

اسی طرح ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

"وانّ ابغضکم الی وأبعضکم منّی مجلساًیوم القیامة الثرثارون والمشدّقون والمتفهیقون (2)

(اور تم میں سے مجھے سب سے زیادہ نا پسند اور قیامت کے دن مجھ سے زیادہ دور وہ لوگ ہوں گے جو بات کرنے میں بناوٹ سے کام لیتے ہیں چیختے ہیں اور مصنوعی آوازوں سے رعب بٹھاتے ہیں)

اسی طرح صحیح حدیث میں ہے:۔ (وما تواضع أحد للہ الاّ رفعہ اللہ) (3)

اسی طرح کلام کی روانی، عبارتوں کا واضح ہونا اور آسان ومانوس الفاظ استعمال کرنا مشکل گفتگو کو آسان بنا دیتا ہے۔

5۔ الحلم والصبر

مکالمہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بات سمجھنے کے لیے تحمل سے غور وفکر کرے اور فیصے میں جلد بازی سے پرہیز کرے۔ لیکن اگر کوئی معنی سمجھنے سے قاصر رہے یا کوئی بات ذہن سے نکل جائے تو اسے دوبارہ پوچھنے کے لیے شرمندگی محسوس نہ کرے اور مقصد معلوم کرکے اطمینان حاصل کرلے۔

اللہ تعالی نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا: ﴿خُذِ ٱلْعَفْوَ وَأْمُرْ بِٱلْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ ٱلْجَٰهِلِينَ﴾ (4)

ترجمہ: اے نبی ﷺ نرمی اور در گزر کا طریقہ اختیار کرو، معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو۔

نرمی و در گزر سے دوسروں کے غم و غصہ کو بھی دور کیا جاسکتا ہے در گزر سے دوسروں کے دل صاف ہوتے ہیں اور انسان کی خطائیں معاف ہوتی ہیں۔ لیکن اس سے بھی بڑی نیکی یہ ہے کہ برائی کا جواب بھلائی سے دیا جائے۔ اور دوسرے کی سخت اور تند و تیز باتوں کا جواب نرمی سے اور میٹھے الفاظ سے دیا جائے۔ لیکن یہ مقام بڑے صبر سے اور بڑے نصیب والوں کو ہی ملتا ہے۔

1- سورۃ ص: 86

2- سنن ترمذی، ابو عیسی، باب: ماجاء فی معالی الاخلاق، ج: ۷، ص: ۲۰۹

3- صحیح مسلم،

4- سورۃ الاعراف: 199

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ، وَمَا يُلَقَّاهَا إِلاَّ الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلاَّ ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾[1]

ترجمہ: اور اے نبی! نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر کرتے ہیں اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر ان لوگوں کو جو بڑے نصیب والے ہوتے ہیں۔

مکالمہ میں اگر فریق ثانی رائے سے اتفاق نہ کرے تو غصہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی یہ کوشش کرنی چاہیے کہ جس بات کو ہم صحیح سمجھ رہے ہیں اس پر دوسرے لوگوں کو بھی مجبور کریں۔ اس لئے کہ ﴿لاَ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ﴾[2]

یعنی دین میں زور و جبر نہیں ہے۔ ایک مسلم محاور کو تو حق کے ظہور کے لئے حریص ہونا چاہیے اور سامنے والے مناظر سے جھگڑنے سے ڈرنا چاہیے، کیونکہ سخت اور تند جملوں کی وجہ سے فریق ثانی حق بات قبول کرنے سے گریز کرے گا اور اپنے گمراہ نظریات پر جما رہے گا۔

مکالمہ میں بلا تحقیق بات نہیں کرنی چاہیے

جھوٹ کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ آدمی جو کچھ جھوٹ سچ دوسروں سے سنے بلا تحقیق کہتا پھرے یہ شخص بے اعتبار سمجھا جاتا ہے اور سوسائٹی میں اس کی بات کی قدر نہیں ہوتی۔

آپ ﷺ نے فرمایا: (کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکلّ ما سمع)[3]

"آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ یہی کافی ہے کہ جو سنے کہتا پھرے"

اللہ تعالیٰ نے یہود کے ایک گروہ کی نسبت فرمایا:۔

﴿وَمِنَ الَّذِينَ هَادُواْ سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّاعُونَ لِقَوْمٍ آخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ﴾[4]

ترجمہ: (ان میں سے جو یہودی ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جھوٹ کے لیے کان لگاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کی خاطر جو تمہارے پاس کبھی نہیں آئے سن گن لیتے پھرتے ہیں)

1- سورۃ الفصلت: 34-35

2- سورۃ البقرۃ: 256

3- صحیح مسلم، مسلم بن حجاج، باب: النھی عن الحدیث بکل ما سمع، ج:۱، ص:۱۵

4- سورۃ المائدہ: 41

اللہ تبارک تعالی نے جہاں ایسے لوگوں کو جھوٹا کہا جو ہر سنی سنائی بات بلا تحقیق و تفتیش بیان کر دیتے ہیں وہاں ان لوگوں کی راہنمائی کی جن کے پاس کوئی شخص خبر لے کر آتا ہے ان سے صاف فرمادیا:

قال اللہ تعالی: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا فَعَلْتُمْ نَادِمِينَ﴾ [1]

ترجمہ: (اے لوگوں جو ایمان لائے ہو، اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کیے پر پشیمان ہو)

حسن الاستماع (حسن سماعت)

اچھی گفتگو کرنے والا انسان اچھا سننے والا بھی ہوتا ہے۔ جس سے گفتگو کر رہے ہوں اس کی بات درمیان میں نہیں کاٹنی چاہیے۔ دوسرے کی بات کو غور سے سننا چاہیے۔ بہت سے لوگ جن افراد سے پہلی مرتبہ ملتے ہیں تو وہ ان پر اپنا اچھا تاثر قائم کرنے میں اس لئے ناکام رہتے ہیں کہ ان کی بات توجہ سے نہیں سنتے۔ اکثر لوگ اپنی فکری صلاحیتیں اس بات پر صرف کرتے ہیں کہ اپنے سننے والوں سے کیا کہنا ہے پھر جب سننے والا بولنا شروع کرتا ہے تو اس کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اکثر لوگ اچھا سننے والے کو اچھا بولنے والے شخص پر ترجیح دیتے ہیں بعض اوقات ایسا موقع پیش آئے گا گفتگو کرنے والے کو دوسرے فریق کی بات سننی پڑے گی ۔ اس کے کلام میں ایک بات ہو سکتی ہے کہ اس پر نظر ثانی کی جائے یعنی اضافہ، وضاحت یا تصحیح کرنا۔ ایسے موقعہ پر دوسرے کی بات کاغذ پر لکھ لینی چاہیے تاکہ اپنی باری پر ان باتوں کی وضاحت کی جاسکے۔ اس طرح جو بات ہم کہنا چاہ رہے ہوں گے وہ چھوٹے گی نہیں۔

ضرب لأمثلة (ضرب الامثال)

مکالمہ میں مثالوں سے موقف واضح کرنا چاہیے۔ کامیاب اور عمدہ مکالمہ کرنے والے شخص کی ایک خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ عمدہ اور بہترین مثالیں دے کر اپنی بات سمجھاتا ہے۔ یہ مثالیں یا تو اپنا نقطہ نظر سننے والے کو ذہن نشین کرانے اور اس کی تفصیل سمجھانے کا ذریعہ بنتی ہیں یا اس نظریئے پر اسے مطمئن کرنے کا وسیلہ ہوتی ہے اچھی مثالیں بڑے عالم اور اور کم علم والے کے لیے یکساں مفید ہیں۔

اللہ تعالی بھی قرآن میں فرماتے ہیں:۔﴿وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾ [2]

1- سورۃ الحجرات: 6

2- سورۃ الحشر: 21

ترجمہ: (اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لیے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ غور وفکر کریں)

ایک اور جگہ اسی مضمون کو اللہ تعالی یوں بیان کرتے ہیں:۔

﴿وَيَضْرِبُ اللّهُ الأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾[1]

ترجمہ: (یہ مثالیں اللہ اس لیے دیتا ہے کہ لوگ ان سے سبق لیں)

مکالمہ علی النقاط المشترکۃ (مشترک نقاط پر مکالمہ)

داعی جب گفتگو کی ابتداء کرے تو اسے چاہیے کہ پہلے اپنی بات کو ان نکات سے شروع کرے جن پر سب کا اتفاق ہو چنانچہ مسلمات (تسلیم شدہ) اور بدیہات (دلیل سے بے نیاز حقائق) سے بات شروع کرے۔ اتفاق کے نکتہ سے بات کی ابتداء کرنے سے بعض اوقات افہام و تفہیم کے بے شمار ایسے پہلو سامنے آتے ہیں جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ اس طرح سے فریقین میں دوری کم ہوتی ہے تعلقات مضبوط ہوتے ہیں۔ خیر و بھلائی کے مواقع سامنے آتے ہیں اور برائی کا احتمال کم ہو جاتا ہے اگر بات کی ابتداء ہی اختلاف اور جھگڑے یا اختلافی نظریات سے کی گئی تو گفتگو کے آغاز ہی میں گفتگو ختم ہو جائے اور دلوں میں کدورت پیدا کرے۔ جو شخص گفتگو کی ابتداء ان نکات سے کرتا ہے جو اس کے اور دوسرے فریق مخالف کے درمیان متفق علیہ ہیں وہ دراصل دوسرے کا اعتماد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے ساتھ اختلافی معاملے پر مفاہمت کے لیے راہ ہموار کرلیتا ہے۔

اس پس منظر میں حسب ذیل آیت کو بھی دیکھنا چاہیے:۔

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاء بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللّهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُواْ اشْهَدُواْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾[2]

ترجمہ: (اے اہل کتاب! آؤ ایک کلمہ سواء کی طرف (جو ہمارے اور تمھارے درمیان مشترک ہے) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی کو رب نہیں بنائے گا-----

اس آیت کو اس بات کی دلیل سمجھا جاتا ہے کہ مذاہب کے درمیان جو اقدار مشترک ہیں ان کی دعوت دی جائے بجائے اختلاف سے تعوض نہ کیا جائے ہر ایک کو اسکے طریقہ پر عمل کی اجازت ہو اس کے درست یا نادرست ہونے سے بحث

1- سورۃ ابراھیم: 25

2- سورۃ آل عمران: 64

نہ کی جائے۔اس آیت میں اہل کتاب کو "کلمہ سواء" کی دعوت دی گئی ہے یہ "کلمہ سواء" توحید ہے جو اہل کتاب اور مسلمانوں کے درمیان مشترک ہے اور جو تمام مذہبی کتابوں کی بنیاد ہے۔
یہ درحقیقت اسلام کی دعوت ہے آپ ﷺ نے اسلام کی دعوت کے لیے جو رسائل مختلف بادشاہوں کے نام لکھے اس میں اس آیت کا حوالہ دیا۔"ہرقل (شاہ روم) کو آپ ﷺ نے جو مکتوب اسلام کی دعوت قبول کرنے کے لیے لکھا تھا اس میں اس آیت کا حوالہ تھا" [1]

الاحترام علی رغم الخلاف (اختلاف کے باوجود احترام کرنا)

داعی کو چاہیے کہ جن لوگوں سے گفتگو کر رہا ہے ان کا احترام کرے۔یہ لوگ چاہے مسلمان ہوں یا غیر مسلم بہر حال ان کی تعظیم و توقیر ان کا حق ہے جو ادا کرنا چاہیے۔لوگوں سے ان کے مقام و مرتبے کے لحاظ سے برتاؤ کرنا چاہیے۔
"والداعية الناجح هوالذّي يحترم الأطراف الأخرى التي يحاورها، مسلمة أو غير مسلمة ويمنحها حقها المتوجب لها من التقدير والتوقير، ونحن مأمورون أن ننزل الناس منازلهم"[2]
فالمحاوره يعامل الناس بما يحب أن يعاملوه.فينصت لحد يثهم ويتواضع لهم ويشعرهم بتقديره لهم"[3]
جب ہماری گفتگو کسی صاحب حیثیت شخص یا عمر میں بڑے شخص سے ہو رہی ہو یا کسی بڑے منصب پر فائز شخص سے ہو، یہ منصب سیاسی ہو یا معاشرتی یا اقتصادی تو ہمیں اس کے مرتبے کا لحاظ کرنا چاہیے۔حتی کہ وہ مسیحی یا یہودی یا بت پرست ہی کیوں نہ ہو اس کی حیثیت کے مطابق الفاظ سے بات کرنی چاہیے۔اس کے ساتھ انصاف کا برتاؤ کرنا چاہیے۔اس میں جو مثبت خوبیاں ہوں ان کی تعریف کرنی چاہیے۔گفتگو کرنے والا مخالف کی صحیح باتوں،اچھے دلائل اور جدید معلومات پر اپنی پسندیدگی ظاہر کر کے انہیں تسلیم کرے۔

1- الجامع لاحکام القرآن، قرطبی، ج: 2، ص: 64
2- فی اصول الحوار، الندوة العلمية للشباب الاسلامی، دار التوزیع والنشر الاسلامیة، (1419ھ۔1998م)، ص: 55
3- فنون الحوار والاقناع، دیماس، محمد راشد، ط:1، دار ابن حزم، (1420ھ۔1999م)، ص: 123

العناصر الواجب توفرها في قضية الحوار بشكل عام[1]

(مکالمہ کے بنیادی عناصر)

مکالمہ کے لیے کچھ بنیادی عناصر ہیں جن کے بغیر بات موثر طریقے سے نہیں پہنچائی جا سکتی۔ یا اگر ان عناصر میں سے کوئی عنصر نہ ہو تو بات میں وہ وزن نہیں ہوتا جس سے فریق مخالف بات کا قائل ہو سکے۔ یہ بنیادی عناصر درج ذیل ہیں جو کہ ہر ایک مسلم محاور کے لیے ضروری ہیں۔

1۔ شخصية الطرف المسلم المحاور (مسلم مکالمہ گو کی شخصیت)

ایک مسلم محاور کہ لیے ضروری ہے کہ وہ درج ذیل صفات سے مزین ہو۔

۱۔ الايمان العميق ۲۔ العلم الواسع

۳۔ الحكمة الشاملة ۴۔ الحرية الفكرية

ایک مسلم محاور کا سب سے پہلے ایمان مضبوط ہونا چاہیے اسے اپنے رب پر پورا بھروسہ ہونا چاہیے۔ ایمان اس کے دل میں راسخ ہونا چاہیے کیونکہ اگر ایمان کمزور ہوگا تو ہو سکتا ہے کہ وہ فریق مخالف کے دلائل سن کر اسکی طرف جھک جائے۔ پختہ ایمان کے ساتھ ساتھ اسے اپنے دین کا وسیع علم ہونا چاہیے کیونکہ بغیر علم کہ وہ فریق مخالف کو صحیح دلائل نہیں دے سکتا۔ اس لیے اپنے مذہب کے علم کے ساتھ ساتھ مسلم محاور کو دوسرے مذاہب کا بھی وسیع علم ہونا چاہیے تاکہ وہ بھرپور دلائل سے بات کر سکے۔

1- الحكمة الشاملة (حکمت)

حکمۃ کہ بارے میں قرآن میں کثرت سے ذکر ملتا ہے لفظ "الحکمۃ" قرآن میں 20 مقامات پر آیا ہے "ورد بلفظ الحكمة في عشرين موضعاً"[2] قرآن میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَن يَشَاء وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا وَمَا يَذَّكَّرُ إِلاَّ أُوْلُواْ الأَلْبَابِ﴾[3]

ترجمہ: جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت ملی اسے حقیقت میں بڑی دولت مل گئی ان باتوں سے

1- الحوار في القرآن، محمد حسین فضل اللہ، دار التعارف للمطبوعات، بیروت، ط: 5، (1987)، ص 35

2- المعجم المفہرس للالفاظ القرآن، محمد فواد عبدالباقی، مؤسسہ جمال للنشر، بیروت، (د۔ت)، ص: 213

3- سورۃ البقرۃ: 269

صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانشمند ہیں۔

اسی طرح قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں پر خصوصی نعمتوں کا ذکر کیا ہے ان نعمتوں میں سے ایک نعمت حکمت ہے۔

قال اللہ تعالیٰ :﴿ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكًا عَظِيمًا ﴾[1]

ترجمہ : دوسروں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا؟ اگر یہ بات ہے تو انہیں معلوم ہو کہ ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی اور ملک عظیم بخش دیا۔

اللہ کے مخصوص بندوں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ حکمت عطا کی تھی ایک لقمان حکیم ہیں۔

قال اللہ تعالي : ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا لُقْمَانَ الْحِكْمَةَ أَنِ اشْكُرْ لِلَّهِ وَمَن يَشْكُرْ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهِ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾[2]

ترجمہ : ہم نے لقمان کو حکمت عطا کی تھی کہ اللہ کا شکر گزار ہو جو کوئی شکر کرے اس کا شکر اس کے اپنے لیے ہی مفید ہے اور جو کفر کرے تو حقیقت میں اللہ بے نیاز، آپ سے آپ محمود ہے۔

حکمت ان چار بنیادی تعلیمات میں سے ایک ہے جو نبی کریم ﷺ اپنی امت کو دیتے رہے یہی جس کے لئے نبی کریم ﷺ مبعوث ہوئے، وہ یہ ہیں :

1- تبلیغ کتاب اللہ، دعوۃ الناس الیہ
2- تذکیہ النفوس
3- تعلیم القرآن الکریم
4- تعلیم الحکمۃ

اور یہ چاروں اہم مضامین قرآن میں چار مقام وارد ہوئے ہیں، دو مرتبہ سورۃ البقرۃ میں، ایک دفعہ سورۃ آل عمران میں اور ایک دفعہ سورۃ جمعہ میں۔

قال اللہ تعالیٰ :﴿ لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُواْ مِن قَبْلُ لَفِي ضَلاَلٍ مُّبِينٍ﴾[3]

1- سورۃ النساء : 54

2- سورۃ لقمان : 63

3- سورۃ آل عمران : 164

ترجمہ : درحقیقت اہل ایمان پر تو اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انہیں سناتا ہے۔ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اللہ کی دعوت کا فریضہ سونپا اور خود ہی اس دعوت کا طریقہ بھی بتایا۔ اس دعوت دین کی تعلیمات میں سے ایک تعلیم "حکمت" کی ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ﴾[1]

ترجمہ : اے نبی اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقہ پر جو بہترین ہو ، تمہارا رب ہی زیادہ بہتر جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور کون راہ راست پر ہے۔

حکمة کی تعریف کچھ یوں ہے :

"العلم بحقائق الاشياء ، علي ماهی عليه فی الوجود. بقدر الطاقة البشرية ، ثم العمل بمقتضاه وهي تنقسم إلي حكمة عملية، وحكمة نظرية۔"[2]

اسی لیئے زیادہ تر علماء اور مفسرین کی یہ رائے ہے کہ حکمت دراصل نبی کریم ﷺ کی سنت چاہے قولی ، فعلی یا تقریری ہو ۔"الحكمة هی سنة النبی الكريم صلی الله عليه وسلم من حيث أقوله، وافعاله وتقريراته"[3]

نبی کریم ﷺ کی سنت کو حکمت کا نام دیا گیا کیونکہ حکمت بھی درج ذیل اشیاء پر مشتمل ہوتی ہے۔

الحكمة تشمل علي: سداد القول، و صواب العمل، و إيقاع ذلك فی مواقعه، ووضعه فی مواضعه اللائقة۔ ولا شك أن اقواله، و افعاله، و أحواله و إقراره ، جميع ذلك هو عين الحكمة۔[4]

ایک مسلم مکالمہ گو (محاور) کے لئے حکمت کی خوبی سے مزین ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی بات دوسروں تک صحیح انداز میں پہنچا سکے۔

1- سورۃ النحل: 125

2- کتاب التعریفات، علی بن محمد الشریف الجرجانی، مکتبہ لبنان، بیروت، 1985، ص: 96

۔۔وفصوص الحکم ، محی الدین بن عربی، تعلیق ابوالعلا العفیفی، دارالکتاب العربی، بیروت، ط: 2، 1980، ص: [illegible]

3- تفسیر القرآن العظیم، اسماعیل بن کثیر الدمشقی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، 1969، جلد اول، ص: 554

4- سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ ، عبداللہ سراج الدین، حلب، سوریۃ، جمعیۃ التعلیم الشرعی، ط: 2، 1978، ص: 98

2-الحرية الفكرية (فکری آزادی)

ایک مسلم مکالمہ گو (محاور) کے لئے حریۃ فکر ایک لازمی عنصر ہے، وہ ہر قسم کے خوف سے پاک ہو اور کسی قسم کا فخر، غرور اور بڑائی کا احساس بھی اس میں نہیں ہونا چاہیے۔

"مع وجود الثقة بها، فلا يمكن أن يكون المحاور واقعاً تحت إرهاب فكري، أو نفسي، يشعر من تأثيره بضعفه، أو سقوطه أمام شخصيته الطرف الآخر، وذلك برفضه لكل مظاهر العظمة والإفتخار والتعالي عند الطرف الآخر"[1]

اس کو قرآن کریم اور سیرۃ النبی ﷺ میں واضح بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں جس میں نبی اور دوسری اطراف کے لوگوں کے درمیان مکالمہ ہے جو کہ انبیاء لوگوں کو حق کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ قرآن اس امر کو بالکل واضح کرتا ہے کہ رسول بھی تمام بشر ہی کی طرح ایک بشر ہے اور اس کو دوسرے لوگوں پر اگر فضیلت حاصل ہے تو اس رسالت کی وجہ سے۔

يقول الله تعالى موضحاً هذه النقطة:

﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ﴾[2]

ترجمہ: اے نبی کہو کہ میں تو ایک انسان ہوں تم ہی جیسا میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا خدا بس ایک ہی خدا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

: ﴿قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾[3]

ترجمہ: اے نبی ان سے کہو کہ "میں اپنی ذات کے لئے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا۔ اللہ جو کچھ چاہتا ہے وہ ہوتا ہے اور اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سے فائدے اپنے لئے حاصل کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی نقصان نہ پہنچتا۔ میں تو محض ایک خبردار کرنے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، ان لوگوں کے لئے جو میری بات مانیں"۔

1- الحوار الاسلامی المسیحی، بسام داود عجک، دار قتیبۃ، سعودیۃ، ط: 1، (1418ھ—1998م)، ص 151

2- سورۃ الکہف: 110

3- سورۃ الاعراف: 188

فالآيات واضحة فى دلالاتها: إنها تشير إلي أن الرسول الكريم لا يمكن أن يمارس هيمنة وسطة وتكبراً علي الذين يقوم بدعوتهم، بسبب أنه رسول الله تعالى. بل توضح الآيات حقيقة الرسول أنه بشر ولا يملك لنفسه نفعاً ولا ضراً: (إنه بشر)، و(لايملك لفسه نفعاً ولا ضراً)[1]

العنصر الثاني: شخصية الطرف الآخر المحاور: (مخالف مکالمہ گو کی شخصیت

محاور ثانی کی شخصیت کے لیے جو لازمی صفات ہیں وہ یہ ہیں کہ اسے حق کو قبول کرنے کی رغبت ہونی چاہیے اور جب حق بات ظاہر ہو جائے تو اسے قبول کرلینا چاہیے اور پھر اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے۔ اگر محاور مخالف کے اندر یہ خوبیاں نہیں ہونگی تو مکالمہ کا نتیجہ کوئی نہیں نکلے گا اور آخر میں جھگڑے کی فضاء پیدا ہو جائے گی جو کہ مکالمہ کے لیے مفید ثابت نہیں ہوگی۔ کیونکہ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو حق کو حاصل کرنا ہی نہیں چاہتے بلکہ مکالمہ سے ان کا مقصد صرف اپنی علمی برتری ثابت کرنا اور اپنے علم کی دھاک دوسروں کے دلوں میں بٹھانا ہوتا ہے اور جب حق بات ظاہر ہو بھی جائے تو ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور سچائی کو قبول نہیں کرتے۔

ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآن کریم میں اللہ تعالی فرماتے ہیں:

﴿وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّى إِذَا جَاؤُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الأَوَّلِينَ﴾[2]

ترجمہ: ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو کان لگا کر تمھاری بات سنتے ہیں مگر حال یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں جن کی وجہ سے وہ اس کو کچھ نہیں سمجھتے اور ان کے کانوں میں گرانی ڈال دی ہے (کہ سب کچھ سننے پر بھی کچھ نہیں سنتے) وہ خواہ کوئی نشانی دیکھ لیں اس پر ایمان لا کر نہیں دیں گے حد یہ ہے کہ جب وہ تمھارے پاس آ کر تم سے جھگڑتے ہیں تو ان میں سے جن لوگوں نے انکار کا فیصلہ کر لیا ہے وہ (ساری باتیں سننے کے بعد) یہی کہتے ہیں کہ یہ ایک داستان پارینہ کے سوا کچھ نہیں)

ایسے معاندین کبھی بھی مکالمہ کے لیے ایک نشست (مزاکرات کے لیے ایک ٹیبل پر) میں نہیں بیٹھتے کیونکہ جب انھیں حق بات پیش کی جاتی ہے تو وہ اسے اپنے کبر و غرور کے سبب قبول نہیں کرتے۔ اور جب ایسے لوگ کسی بات کے لیے

1- الحوار الاسلامی المسیحی، بسام داؤد عجک، دار قتیبة للطباعة والنشر والتوزیع، المملکة العربیة السعودیة، ط: 1، (1418ھ – 1998م)، ص:152

2- سورة الانعام : 25

دلیل مانگتے ہیں اور انہیں دلیل بھی پیش کر دی جاتی ہے تو پھر بھی وہ اپنی بات پر ہی اڑے رہتے ہیں۔ اصل بات دلیل پیش کرنے یا نہ کرنے کی نہیں بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان کی ایمان کو قبول کرنے کی استعداد ہی نہیں۔ قرآن کریم ایسے لوگوں کی تصویر کشی یوں کرتا ہے:۔

﴿وَأَقْسَمُواْ بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا الآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لاَ يُؤْمِنُونَ﴾ [1]

ترجمہ: یہ لوگ کڑی کڑی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر کوئی نشانی ہمارے سامنے آجائے تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے اے نبی! ان سے کہو کہ "نشانیاں تو اللہ کہ اختیار میں ہیں "اور تمھیں کیسے سمجھایا جائے کہ اگر نشانیاں آ بھی جائیں تو یہ ایمان لانے والے نہیں۔

العنصر الثالث: المناخ الهادئ للتفكير المستقل(..........

مکالمہ کا تیسرا اور اہم عنصر یہ ہے کہ مکالمہ گو ہر طرح کے جذباتی پن سے دور رہے۔ داخلی اور خارجی عناصر کے جذبات سے خود کو دور رکھنا چاہئے۔

قریش مکہ پر بھی جب کبھی اسلام کی دعوت پیش کی گئی تو انھیں اس دعوت کے قبول کرنے میں جو چیز مانع ہوئی وہ یہی تھی کہ اللہ نے ہم جیسا ایک بشر ہی کیوں رسول بنا کر بھیجا۔قریش مکہ کو یہی اعتراض تھا کہ اگر اللہ کو نبی یا رسول بھیجنا تھا تو اسے کسی فرشتے کو بھیجنا چاہیے تھا آخر ایک انسان جو ہماری طرح چلتا پھرتا ہے اور کھاتا پیتا ہے اسے ہی کیوں نبی بنایا گیا۔حالانکہ اصل بات جو دعوت انہیں پیش کی جارہی تھی وہ اسے بھول جاتے ہیں۔یعنی اس دعوت کا اصل ہدف وہ بھول جاتے ہیں۔قریش مکہ کہ اس اعتراض کو اللہ تعالی قرآن میں یوں بیان کرتے ہیں:۔

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُواْ إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَى إِلاَّ أَن قَالُواْ أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولاً﴾ [2]

ترجمہ: لوگوں کے سامنے جب کبھی ہدایت آئی تو اس پر ایمان لانے سے ان کو کسی چیز نے نہیں روکا مگر ان کے اسی قول نے کہ "کیا اللہ نے بشر کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا؟

ایک دوسرے مقام پر قران کریم قریش مکہ اور کفار کو تفکر کرنے کی دعوت دے رہا ہے کیونکہ کفار مکہ آپ ﷺ پر

1- سورۃ الانعام : 109

2- سورۃ الاسراء : 94

جنون کی تہمت لگاتے تھے اور کہتے تھے یہ شخص تو مجنون ہے اس کی باتوں کو مت سنو۔اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں تفکر مستقل کی دعوت یوں دے رہے ہیں۔

﴿قُلْ إِنَّمَا أَعِظُكُم بِوَاحِدَةٍ أَن تَقُومُوا لِلَّهِ مَثْنَى وَفُرَادَى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِكُم مِّن جِنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾[1]

ترجمہ: اے نبی! ان سے کہو "میں تمھیں بس ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں خدا کے لیے تم اکیلے اکیلے اور دو دو مل کر اپنا دماغ لڑاؤ اور سوچو تمھارے صاحب میں آخر کون سی بات ہے جو جنون کی ہو؟ وہ تو ایک سخت عذاب کی آمد سے پہلے تم کو متنبہ کرنے والا ہے۔"

کافر لوگ انکار نبوت کا ایک بہانہ یہ بھی بناتے ہیں کہ جب تک خود ہمیں وہ نہ دیا جائے جو رسولوں کو دیا گیا ہے ہم ہر گز ایمان نہ لائیں گے۔ان کا کہنا یہ تھا کہ جس طرح نبیوں کے پاس اللہ کی طرف سے فرشتہ وحی لے کر آتا ہے ہمارے پاس بھی آئے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا مطالبہ یہ ہو کہ فرشتوں کو ہم دیکھ لیں یا فرشتے ہمیں آکر سمجھائیں اور آنحضرت ﷺ کی نبوت کی تصدیق کریں تو ہم آپ ﷺ کو نبی مان لیں گے۔[2]

اکثر لوگ ایمان سے اور رسولوں کی تابعداری سے اسی بناء پر رک گئے کہ انھیں یہ سمجھ میں نہ آیا کہ کوئی انسان بھی رسول اللہ بن سکتا ہے وہ اس پر سخت متعجب ہوئے اور آخر انکار کر بیٹھے اور صاف کہہ گئے کہ کیا ایک انسان ہماری رہبری کرے گا؟فرعون اور اس کی قوم نے بھی یہی کہا تھا کہ ہم اپنے جیسے دو انسانوں پر کیسے ایمان لے آئیں خصوصاً اس صورت میں کہ ان کی ساری قوم ہماری ماتحتی میں ہے یہی اور امتوں نے اپنے زمانے کے نبیوں سے کہا تھا کہ تم تو ہم جیسے ہی انسان ہو سوا اس کے کچھ نہیں کہ تم ہمیں اپنے بڑوں کے خداؤں سے بہکا رہے ہو اچھا لاؤ کوئی زبردست غلبہ پیش کرو۔[3]

اللہ تعالیٰ انہیں تفکیر کی دعوت دیتا ہے کہ اے انسان ذرا غور کرو اگر فرشتے رسالت کا کام انجام دیتے تو نہ ان کے پاس تم بیٹھ اٹھ سکتے اور نہ ان کی باتیں پوری طرح سوچ سمجھ سکتے۔انسانی رسول چونکہ تمھارے ہم جنس ہی ہوتے ہیں تم ان سے خلا ملا رکھ سکتے ہو ان کی عادات واطوار دیکھ سکتے ہو اور مل جل کر ان سے اپنی زبان میں تعلیم حاصل کر سکتے ہو یہ

1- سورۃ سبا: 46

2- تفسیر ابن کثیر، ج: سوم، ص 305

3- تفسیر ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر، کثیر الدمشقی، مترجم: مولانا محمد جوناگڑھی، مکتبہ اسلامیہ 2006، لاہور، ج: دوم، ص: 820

تو اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تم میں سے ہی اپنے رسول بھیجے کہ وہ آیات الٰہی تم کو پڑھ کر سنائیں ۔۔۔
علم تھے وہ تمھیں عالم بنادیں۔

العنصر الرابع : العلم بموضوعات الحوار (مکالمہ کے موضوعات کا علم)

مکالمہ کا چوتھا اور اہم عنصر یہ ہے کہ جس موضوع پر مکالمہ کرنا ہے اس موضوع پر وسیع علم ہونا چاہیے ۔۔۔ کسی سے گفتگو کرنا جہل کا باعث ہے اللہ تعالی کو یہ بات ناپسند ہے کہ بغیر علم کے دوسروں سے بحث کی جائے۔ قرآن کریم ایسے لوگوں کی تصویر کشی کرتا ہے جو بغیر علم کے گفتگو کرتے ہیں/مباحثہ کرتے ہیں۔

﴿هَاأَنتُمْ هَؤُلاءِ حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ﴾

ترجمہ: تم لوگ جن چیزوں کا علم رکھتے ہو ان میں تو خوب بحثیں کر چکے اب ان معاملات میں کیوں بحث کرتے ہو جن کا تمھارے پاس کچھ علم نہیں۔ اللہ جانتا ہے تو نہیں جانتے)

ایک اور جگہ اسی مضمون کو اللہ تعالی یوں بیان کرتے ہیں:۔

﴿بَلْ كَذَّبُواْ بِمَا لَمْ يُحِيطُواْ بِعِلْمِهِ وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ﴾(2)

ترجمہ: اصل یہ ہے کہ جو چیز ان کے علم کی گرفت میں نہیں آئی اور جس کا مآل ان کے سامنے نہیں آیا اس کو انہوں نے (خواہ مخواہ اٹکل پچو) جھٹلا دیا اس طرح تو ان سے پہلے کے لوگ بھی جھٹلا چکے ہیں۔ پھر دیکھ لو ان ظالموں کا کیا انجام ہوا۔

وقال اللہ تعالی:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُجَادِلُ فِي اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَلا هُدًى وَلا كِتَابٍ مُّنِيرٍ﴾(3)

ترجمہ: (کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی علم ہو یا ہدایت یا کوئی روشنی دکھانے والی کتاب) اللہ تعالی ان آیتوں میں بغیر علم کے بحث مباحثہ کرنے سے منع فرما رہے ہیں۔

1- سورۃ آل عمران : 66
2- سورۃ یونس : 39
3- سورۃ لقمان : 20

فرماتا ہے جس چیز کا علم نہ ہو اسے علیم اللہ کے حوالے کر دو جو ہر چیز کی حقیقت کو جانتا ہے اور چھپی اور کھلی تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے۔

منهج الحوار في ضوء الكتاب والسنة (قرآن وسنت کی روشنی میں حوار کا منہج)

منہج الحوار میں ان مبادی کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے جو کہ اسلام اور دیگر ادیان کے درمیان حوار کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ مبادی درج ذیل ہیں:

المبدأ الأول: الدعوة الى الله تعالى:

اسلام اور دیگر ادیان کے درمیان مکالمہ/حوار کی اساس کتاب وسنت کی روشنی میں دین اسلام کی طرف دعوت دینا ہے درحقیقت اسلام کی دعوت ہر عام و خاص کو دینا ہی دین اسلام کا خاص وصف ہے اور حوار/مکالمہ بھی دین اسلام کی دعوت کا ایک ذریعہ ہے اور اس کا مقصد ہر خاص و عام، دوست و دشمن، دور و نزدیک اور ہر مذہب کے ماننے والے کو اسلام کے قریب لانا اور اسلام کی حقانیت ان پر واضح کرنا ہے۔

یاد رہے کہ ہر متنفس پر تبلیغ حق فرض ہے۔اور ہر انسان اپنی استطاعت کے مطابق اس ذمہ داری کو ادا کرے کا مکالمہ بھی درحقیقت تبلیغ دین کا ایک ذریعہ ہی ہے۔ک

کیونکہ قرآن میں اللہ تعالی اس فریضہ کے بارے میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾[1]

ترجمہ: تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلاتی رہے اور نیک کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے۔یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں۔

ویسے تو تبلیغ دین ہر انسان پر فرض ہے لیکن تاہم ایک جماعت تو خاص اسی کام میں مشغول رہنی چاہیے مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اچھائی کا حکم اور برائیوں سے مخالفت کرتے رہو ورنہ عنقریب اللہ تعالی تم پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا پھر گو تم دعائیں کرو لیکن قبول نہ ہو گی"[2]

1- سورۃ آل عمران: 104

2- تفسیر ابن کثیر، جلد اول، ص: 479م، حولہ بالا، ص: 480

امت محمدیہ تمام امتوں سے بہتر ہے: اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ امت محمدیہ تمام امتوں سے بہتر ہے۔ حضرت ابوہریرہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں تو اوروں کے حق میں سب سے بہتر ہو اور سب سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچانے والے ہو تم لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر اسلام کی طرف جھکاتے ہو۔"[1]

اسی مضمون کو دوسری جگہ قرآن میں اللہ تعالیٰ یوں بیان کرتے ہیں:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّن دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾[2]

ترجمہ: (اس سے اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی تعریف فرماتے ہیں جس نے اپنے آپ کو بھی نفع پہنچایا اور اللہ کی مخلوق کو بھی اپنی ذات سے نفع پہنچایا۔ یہ ان لوگوں میں سے نہیں جو دوسروں کو تو نیکی کی ہدایت کرتے ہیں مگر خود اس پر عمل نہیں کرتے۔ یہ تو خود بھی عمل کرتا ہے اور دوسروں کو بھی نیکی کی ترغیب دلاتا ہے۔ اور حضور ﷺ سب سے اول اس کا مصداق ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ اس آیت کو پڑھ کر فرماتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں حبیب اللہ یہی اولیاء اللہ ہیں، یہی سب سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ ہیں، یہی سب سے زیادہ اللہ کے محبوب ہیں کہ انہوں نے اللہ کی باتیں مان لیں پھر دوسروں سے منوانے لگے اور اپنے ماننے میں نیکیاں کرتے رہے اور اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرتے رہے یہی اللہ کے خلیفہ ہیں۔[3]

المبدأ الثاني: سبيل الدعوة إلي الله هو الحكمة والموعظة الحسنة

مکالمہ میں اللہ کی طرف دعوت دینے کا اسلوب ایسا ہونا چاہیے کہ لوگ بات کی طرف متوجہ ہوں اور لہجہ میں نرمی ہونی چاہیے اور انتہائی محبت سے بات کرنی چاہیے۔ اس اسلوب سے دلوں کے قفل کھلیں گے۔ اور بات دل میں اترے گی۔ اگر سخت و تند قسم کے الفاظ استعمال کئے جائیں تو یہ جھگڑے کا باعث بنیں گے اور لوگوں کے دل بات سننے پر آمادہ نہ ہوں گے۔ اور لوگ قریب آنے کی بجائے دور چھٹ جائیں گے۔ اسی لئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

1- تفسیر ابن کثیر، ج:4، ص 75

2- سورۃ فصلت: 33

3- تفسیر ابن کثیر، ج:4، ص 75

﴿لَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لاَنفَضُّواْ مِنْ حَوْلِكَ﴾[1]

ترجمہ : اگر کہیں تم تند خو اور سنگ دل ہوتے تو یہ سب تمہارے گرد و پیش سے چھٹ جاتے۔

آپ ﷺ نے اسلام کو سخت اور مشکل بنا کر پیش کرنے سے منع فرمایا، آپ ﷺ جب بھی کوئی مہم بھیجتے تو ان کو یہی نصیحت فرماتے "لوگوں کو دین سے متنفر نہ کرو بلکہ دین میں آسانیاں پیدا کرو"

فقال صلي الله عليه وسلم : (يسروا ولاتعسروا ، وبشرو ولاتنفروا)[2]

آپ نے فرمایا: (آسانی پیدا کرو، سختی نہ کرو اور لوگوں کو خوشخبری دو انہیں متنفر نہ کرو)

ایک کامیاب مکالمہ کے کئی پہلو ہیں، جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

الف: الحوار بالتی ھی أحسن (احسن طریقہ سے مکالمہ کرنا)

اس کی وضاحت قرآن کی اس آیت سے ہوتی ہے:

﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[3]

ترجمہ: اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو اللہ کی وحی اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلاؤ اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کرو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول محمد ﷺ کو حکم فرماتا ہے کہ آپ ﷺ مخلوق الٰہی کو اللہ تعالیٰ کی راہ کی طرف بلائیں۔ امام ابن جریر حکمت سے مراد کلام اللہ اور حدیث رسول ﷺ لیتے ہیں اور اچھے وعظ سے مراد جس میں ڈراوا اور دھمکی بھی ہو لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں اور اللہ کے عذابوں سے بچاؤ طلب کریں اور یہ خیال رہے کہ اگر کسی سے مناظرے کی ضرورت پڑ جائے تو وہ نرمی اور خوش لفظی سے ہو۔[4]

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلاَ تُجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلاَّ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾[5]

دعوت حق کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہی اصول بتایا کہ "اپنے رب تعالیٰ کی راہ کی دعوت، حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ لوگوں کو دو اسی لئے جب اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو فرعون کے دربار میں بھیجتے ہیں تو فرماتے ہیں۔:

1- سورۃ آل عمران : 159

2- صحیح بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، مترجم: مولانا ظہور الباری، مکتبہ دار الاشاعت، کراچی، جلد [illegible]

3- سورۃ النحل : 125

4- تفسیر ابن کثیر، ج: 2، ص: 734

5- سورۃ العنکبوت : 46

﴿فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَوْ يَخْشَىٰ﴾[1]

ترجمہ: یعنی اس سے نرمی سے گفتگو کرنا کیا عجب کہ وہ نصیحت قبول کرلے اور اس کا دل پگھل جائے۔

امام ابن جریر کا قول ہے اور حضرت ابن زید سے بھی یہی مروی ہے کہ ان میں سے جو ظلم پر اڑ جائیں اور ضد اور تعصب برتیں، حق کو قبول کرنے سے انکار کردیں تو پھر مناظرے و مباحثے بے سود ہیں، پھر تو قتال کا حکم ہے۔[2]

ب: اعتماد العقل و التفكير السيلمين (عقل سلیم و تفکیر سلیم پر بھروسہ کرنا)

قرآن کریم کا ہدف یہی ہے کہ ہر بات کے لیے حجت اور برھان اور منطق علمی اور العقلی پیش کی جائے۔ کیونکہ جو بات دلیل کے ساتھ پیش کی جائے گی وہ زیادہ اثر رکھے گی اور دوسرے کو زیادہ اپیل کرے گی۔

"و هاذا ما تشيرا ليه القاعدة التالية في منهج علماء المسلمين في بحثهم عن الحقيقة وهي إن كنت نا قلاً فا لصحة، أو مدّعياً فالدليل"[3]

اس فکر کو قرآن کریم کی یہ آیت مزید واضح کرتی ہے:۔

﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾[4]

ترجمہ: اللہ کے نزدیک عیسی علیہ السلام کی مثال ہو بہو آدم علیہ السلام کی سی ہے جسے مٹی سے پیدا کرکے کہہ دیا کہ ہو جا بس وہ ہو گیا۔

"اس آیت میں اللہ تعالی اپنی قدرت کاملہ بیان فرمارہا ہے کہ حضرت عیسی۔ علیہ السلام کا تو صرف باپ نہ تھا اور میں نے انھیں پیدا کر دیا تو کیا اچھنبا ہے؟ میں نے حضرت آدم کو ان سے پہلے پیدا کیا تھا حالانکہ ان کا بھی باپ نہ تھا بلکہ ماں بھی نہ تھی مٹی سے پتلا بنایا اور کہہ دیا آدم ہو جا اسی وقت ہو گیا۔ پھر مجھ پر صرف ماں سے پیدا کرنا مشکل؟ جبکہ بغیر ماں اور باپ کے بھی میں نے پیدا کر دیا پس اگر صرف باپ نہ ہونے کی وجہ سے حضرت عیسی۔ علیہ السلام۔ اللہ کا بیٹا کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں تو حضرت آدم بطریق اولی اسکا استحاق رکھتے ہیں"[5]

1- سورۃ طہ: 44

2- تفسیر ابن کثیر، ج: سوم، ص: 456

3- ضوابط المعرفۃ، عبدالرحمن حسن حبنکۃ، دارالقلم، دمشق، ط: 3، 1988، ص: 365

4- سورۃ آل عمران: 59

5- تفسیر ابن کثیر، جلد: اول، ص: 445

ج: عدم اثارۃ الطرف الأخر: (مخالف مکالمہ کو کو نہ بھڑکائیں)

یہ مبدا بہت اہم ہے کیونکہ اس سے جذبات بھڑکتے ہیں۔ اور مکالمہ اصل موضوع سے ہٹ جاتا ہے اور فریقین جانبین قریب آنے کی بجائے ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں۔ س لئے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَلَا تَسُبُّوا۟ ٱلَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَيَسُبُّوا۟ ٱللَّهَ عَدْوًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾[1]

ترجمہ: اور گالی مت دوان کو جن کی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں کیونکہ پھر وہ براہ جہالت حد سے گزر کر اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ اور مومنین کو منع فرمارہا ہے کہ مشرکین کے خداؤں کو گالیاں نہ دو اور انہیں برا بھلا کہو اگر اس میں یک گونہ مصلحت سہی لیکن مفاسد اس سے بڑھ کر پیدا ہوتے ہیں، مقابلتاً وہ بھی مسلمانوں کے اللہ کو گالیاں دیں گے۔

ہم ہر امت کو اسی کا عمل اس کی نظروں میں بہتر قرار دیتے ہیں جیسا کہ یہ قوم اصنام ہی کو پسند کرتی ہے۔ چنانچہ گزشتہ امتیں بھی گمراہی پر تھیں اور اسی کو اپنا حسن عمل سمجھتی تھیں۔[2]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین ن کے الٰہ کو گالیاں دینے اور برا بھلا کہنے سے منع فرمایا کیونکہ اس طرح مشرکین کے دلوں میں محبت کی بجائے نفرت جنم لے گی اور وہ ایمان کی دولت سے محروم ہی رہیں گے۔

اس آیت کا سبب نزول کچھ یوں ہے

"عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: قالت كفار قريش لابي طالب إما ان تنهى محمدا و أصحابه عن سبب آلهتنا والغضّ منها، و إما أن نسب إلهه و نهجوه"[3]

ابو جہل، ابو سفیان، عمرو بن العاص اور کئی لوگ وفد کی صورت میں آئے اور ابو طالب سے کہا کہ اے ابو طالب تم ہمارے بڑے ہو اور ہمارے سردار ہو، محمد نے ہمیں تکلیف پہنچائی ہے اور ہمارے خداؤں کو اذیت دی ہے ہم چاہتے ہیں کہ تم انہیں بلا کر روک دو تاکہ وہ ہمارے خداؤں کو برا بھلا نہ کہیں ورنہ ہم بھی تم کو اور تمہارے خدا کو گالیاں دیں گے۔

1- سورۃ الانعام: 108

2- تفسیر ابن کثیر، جلد: دوم، ص: 110-111

3- لباب النقول فی اسباب النزول، جلال الدین السیوطی، الدار التونسیۃ للنشر، تونس، 1981، ص: 119

المبدأ الثالث : الدعوة إلي النقاط التلاقي (مشترک نقاط کی طرف دعوت

تمام سماوی ادیان کی اصل ایک ہی ہے اور تمام سماوی ادیان ایک ہی منبع سے پھوٹتے ہیں۔ تمام سماوی ادیان کی اساس ایک ہی ہے اور قرآن کریم اسی اساس کو بیان کرتا ہے جو کہ تمام سماوی ادیان کی بنیاد ہے۔ قرآن سب کو اسی اساس پہ اکٹھا ہونے کی دعوت دیتا ہے اور ان آیات میں اللہ تعالی وہ بنیادی مشترک نقاط بیان فرماتا ہے۔

قال اللہ تعالی : ﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾[1]

ترجمہ : کہہ دو کہ اے اہل کتاب ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں نہ اللہ کو چھوڑ کر آپ میں ایک دوسرے کو ہی رب بنائیں۔

اس آیت میں تمام ادیان کے پیروکاروں کو دعوت دی جارہی ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی بت کو نہ پوجیں نہ صلیب کو نہ تصویر کو نہ اللہ کے سوا کسی اور کو نہ آگ کو نہ کسی چیز کو بلکہ تنہا اللہ کی عبادت کریں یہی دعوت تمام انبیاء کرام کی تھی۔

" فهذه هي البداية الأولى للقاء والتقارب، وهي الكلمة السواء، كلمة الحق والعدل التي تسوي بين الجميع، انها كلمة الاذعان والخضوع لإله واحد خالق، لا شريك له، وهذا هو منطوق الآية: ألا نعبد إلا الله"[2]

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ﴾[3]

ترجمہ : رسول مان چکا اس چیز کو جو اس کی طرف اللہ کی جانب سے اتری اور مومن بھی مان چکے۔ یہ سب اللہ تعالی اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ اس کے رسولوں میں سے کسی میں ہم جدائی نہیں کرتے۔

اس آیت میں اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ تمام نازل شدہ آسمانی کتابوں پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور رسول کریم ﷺ بھی اس پر ایمان لائے جو ان کی طرف ان کے رب کی جانب سے نازل ہوا دوسرے ایمان والے بھی ایمان

1- سورۃ آل عمران : 64

2- الحوار الاسلامی المسیحی : بسام داود عجک، دار قتیبہ، السعودیہ، ط: اول، (-1418ھ-1998م، ص : 160

3- سورۃ البقرۃ: 285

لائے بھی ان سب نے مان لیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اکیلا ہے، تنہا ہے، وہ بے نیاز ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ یہ تمام انبیاء کو مانتے ہیں، تمام رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، آسمانی کتابوں کو انبیاء پر نازل ہونے والی کتابیں مانتے ہیں۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَى وَعِيسَى وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِن رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾[1]

ترجمہ: تم سب کہو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس چیز پر بھی جو ہماری طرف اتاری گئی اور جو چیز ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف اتاری گئی اور جو کچھ اللہ کی جانب سے موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے انبیاء دیے گئے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان جدائی نہیں ڈالتے، ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

المبدأ الرابع: عدم الإكراه مطلقاً (زبردستی یا جبر نہ کرنا)

مکالمہ کے دوران کسی بھی فریق کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنی بات جبر سے یا دباؤ سے منوائے یا دوسرے فریق کے دل میں اپنی دہشت بٹھائے، بلکہ ہر ایک فریق کو حریت فکر ہونی چاہیے اس کی طرف اللہ تعالیٰ میں بھی ہماری رہنمائی فرماتا ہے۔

قال الله تعالى: ﴿لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾[2]

ترجمہ: دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، سیدھی راہ، ٹیڑھی راہ سے ممتاز اور روشن ہو چکی ہے۔

اس آیت میں حریت فکر و عمل ہی کی بات ہو رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتے ہیں کہ کسی کو جبراً اسلام میں داخل نہ کرو۔ اسلام کی حقانیت واضح اور روشن ہو چکی ہے، اس کے دلائل براہین بیان ہو چکے ہیں، پھر کسی پر جبر اور زبردستی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ اسی مضمون کو یوں بیان فرماتے ہیں:

﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَن فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّى يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ﴾[3]

ترجمہ: اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، سو کیا آپ لوگوں پر زبردستی کر سکتے ہیں جس میں وہ ایمان ہی لے آئیں۔

1۔ سورۃ البقرۃ: ۱۳۶

2- سورۃ البقرۃ: 256

3- سورۃ یونس: 99

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ جبر و زبردستی کی نفی کرتے ہیں اور حریت فکر و عمل کی بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو سب سے سب ایمان لے آتے لیکن اللہ جو کچھ کرتا ہے اس میں حکمت ہوتی ہے۔ اللہ کی مرضی ہوتی تو سب ایک ہی خیال کے ہوتے۔ لیکن لوگ مختلف رائے رکھتے ہیں، درحقیقت اللہ تعالیٰ فکر و عمل کی آزادی دے کر انسانوں کو آزمانا چاہتا ہے کہ کون اس کے راستے پر چلتے ہیں اور کون اس کے راستے کو چھوڑ کر ٹیڑھی راہ پر جاتا ہے

قال الله تعالى:

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِن رَّبِّكُمْ فَمَن شَاءَ فَلْيُؤْمِن وَمَن شَاءَ فَلْيَكْفُرْ﴾[1]

ترجمہ: (اعلان کر دے یہ سراسر برحق قرآن تمہارے رب کی طرف کا ہے، اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔

اسی طرح زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک بوڑھی عورت کو کہتے سنا: اے بڑھیا اسلام قبول کر لو اور اس پر ایمان لے آؤ کہ محمد ﷺ برحق نبی ہیں۔ بوڑھی بولی میں بوڑھی ہوں اور موت میرے بہت قریب ہے تو عمر رضی اللہ عنہ بولے اے اللہ تو گواہ رہنا میں نے اپنی حجت پوری کر دی اور قرآن کی یہی آیت تلاوت فرمائی۔

﴿لا اکراہ فی الدین﴾

اس واقعے کو امام قرطبی اپنی تفسیر میں یوں بیان فرماتے ہیں: "وروي زيد بن أسلم عن أبيه قال: سمعت عمر بن الخطاب يقول لعجوز نصرانية: (أسلمي أيتها العجوز تسلمي، إن الله بعث محمدا بالحق) قالت: أنا عجوز كبيرة والموت إلي أقرب! فقال عمر: (اللهم اشهد) وتلا قوله تعالى ﴿لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ﴾"[2]

المبدأ الخامس: الصبر والتحمل والإعراض (صبر و تحمل کو نہ چھوڑنا)

مکالمہ کے دوران میں بہت سے موڑ ایسے بھی آتے ہیں جب فریق مخالف غصہ میں آ جاتا ہے اور غلط لفظ استعمال کرتا ہے اور بعض اوقات انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کرتا ہے اور بعض فریق مخالف تو دوسروں کے مذہب ہی کو غلط قرار دے دیتے ہیں۔ اور اس کے دلائل سننے کو تیار ہی نہیں ہوتے۔ مکالمہ کے دوران اگر ایسے موڑ آ جائے تو ایک مسلمان مکالمہ گو کو صبر و تحمل کو ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے، اپنے مذہب پر اعتراضات کے بدلے میں ان کے مذہب پر تنقید

1- سورۃ الکہف: 29

2- الجامع لأحکام القرآن، ج: سوم، ص: 280

کبھی نہیں اٹھانی چاہیے۔ کیونکہ ایک مسلمان تو تمام انبیاء پر ایمان لاتا ہے۔ ایسے ماحول میں دوسرے فریق کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے اعراض کرنا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ اس کو قرآن کریم میں یوں بیان فرماتے ہیں:

﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾[1]

ترجمہ (ان اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق کھل جانے کے محض حسد اور بغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔ تم بھی معاف کرو، اور چھوڑ دو، یہاں تک کہ اپنا حکم لائے، یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اس آیت میں جو ایک واضح حکم ہے وہ یہی ہے کہ جو لوگ آپ کو حق سے ہٹانا چاہتے ہیں، ان کو معاف کرو اور اپنا کام کیے رکھو، ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

۞*****۞۞۞*****۞

1- سورۃ البقرۃ: 109

الباب الثانی

مکالمہ کے قرآنی نظائر و اسلوب

مکالمہ کے قرآنی نظائر و اسلوب

قرآن کریم تقابل ادیان، فقہ، قانون شریعت، عقائد، کلام، طب، فلکیات، تاریخ، پرانی قوموں کے سچے واقعات، دنیا ختم ہونے کے بعد پیش آنے والے حقائق الغرض ہر قسم کے علوم اپنے اندر سموئے ہوئے ہے اور یہ لازوال حقائق پر مبنی سچی کتاب ہے اس کتاب میں کوئی مشکل، نا قابل فہم علوم نہیں ہیں جو ایک باشعور شخص کو سمجھ نہ آسکیں۔ دور حاضر میں جدید علوم و فنون نے حیران کر دیا ہے۔ ٹیکنالوجی، طب، معاشیات اور دیگر سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ اور میڈیا کی ترقی نے دور حاضر کو تمام سابقہ ادوار سے ممتاز کر دیا ہے اور قرآن کریم ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے لیے بھی ہدایت اور راہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ قرآن کے اسلوب دعوت و تبلیغ، انبیاء کے قصے اور سابقہ قوموں کے واقعات سے ذرائع ابلاغ کو قرآنی اسلوب میں ڈھال کر دعوت دین کے میدان میں جدت اور تیزی لائی جا سکتی ہے۔ میڈیا پر آج کل سب سے زیادہ مکالماتی اسلوب نمایاں ہے۔ بلاشبہ مکالمہ دو یا دو سے زیادہ افراد کی ایسی باہمی گفتگو ہوتی ہے جس میں موضوع متعین ہو اور فریقین دوستانہ ماحول میں دلائل کی روشنی میں پورے اخلاص کے ساتھ ایک دوسرے کے مؤقف کو سنیں اور جواب دیں۔ قرآن پاک کے اندر بے شمار علوم و فنون کے خزانوں میں سے ایک مکالمہ بھی ہے۔ گزشتہ صدیوں میں مکالماتی اسلوب کے بجائے مناظرانہ اسلوب زیادہ رائج رہا جس میں فریق ثانی کے ساتھ دوستانہ ماحول میں زیادہ گفتگو نہیں ہوتی تھی۔ مگر قرآن میں موجود سیکڑوں کی تعداد میں مکالمات دور حاضر میں رائج مکالماتی اسلوب کے آداب و اہمیت بیان کرنے کے لیے کافی ہیں۔

مکالمہ کا ہدف ہوتا ہے کہ گفت و شنید کے ذریعے سے فریق مخالف کی اصلاح کی جائے اور اس کو اپنے موقف پر قائل کیا جائے۔ اگر فریق مخالف کی دلیل قوی ہو تو اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کیونکہ طاقت کے ذریعے سے دوسرے کو قائل کرنے کے نتائج دور رس نہیں ہوتے قرآن کریم ہمیں اس سلسلے میں بہترین ہدایت فراہم کرتا ہے کہ طاقت کا بے جا استعمال مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔ اس کو سمجھنے کے لیے ہم قرآن سے راہنمائی لیتے ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالی نے اپنی مخلوقات سے مکالمات کیے جن میں سے بعض کا تذکرہ قرآن کریم میں موجود ہے اسی طرح بعض اوقات مخلوق کے درمیان مکالمہ تھا اس کا تذکرہ بھی قرآن کریم میں فرما دیا جن میں بنی نوع انسان کے لیے بہترین ہدایت و راہنمائی، عبرت، نصیحت اور بہت سے سبق موجود ہیں۔ ان مکالمات میں موجود جو فریق حق پر ہوتا ہے اس کی طرف سے اس قدر مضبوط، مستحکم اور عقلی دلائل پیش کیے جاتے ہیں کہ نہ صرف فریق ثانی لاجواب ہو جاتا ہے بلکہ جو کوئی بھی اس مکالمہ کو قرآن میں بغور پڑھتا ہے وہ بھی حق کا قائل ہو کر رہتا ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالی کا انبیاء سے مکالمہ دیکھتے ہیں

قال الله تعالی :

﴿ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ○قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِن طِينٍ ○قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ○ وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ○قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ○ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۔ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ○ ﴾

ترجمہ: رب نے فرمایا "اے ابلیس تجھے کیا چیز سجدہ کرنے سے مانع ہوئی جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے ؟تو بڑا بن رہاہے یا تو ہے ہی کچھ اونچے درجے کی ہستیوں میں سے ؟اس نے جواب دیا" میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور اسکو مٹی سے "۔فرمایا "اچھا تو یہاں سے نکل جا، تو مردود ہے اور تیرے اوپر یوم الجزاء تک میری لعنت ہے "وہ بولا "اے میرے رب یہ بات ہے تو پھر اس وقت تک مجھے مہلت دے دے جب یہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے "۔فرمایا، "اچھا، تجھے اس روز تک کی مہلت ہے جس کا وقت مجھے معلوم ہے۔

اس مکالمہ میں ہم دیکھتے ہیں کہ جب اللہ تعالی نے ابلیس کو سجدے کو حکم دیا تو اگر اللہ تعالی چاہتا تو اسے اسی وقت سزا دے دیتا اور ابلیس ایک لمحے کے لیے بھی حرکت نہ کر سکتا لیکن اللہ نے اسے اظہار خیال کی مکمل آزادی دی ۔سوال وجواب ہوئے اور مکالمات میں دلائل دیئے گئے۔اس پورے مکالمے کو قرآن میں ذکر کرنے اور قیامت تک اسکو پڑھنے میں یہ سبق پنہاں ہے کہ فریقین میں جس قدر بھی تفاوت ہو، جتنا بھی فرق ہو اور کیسا ہی اختلاف کیوں نہ ہو مکالمہ مسائل کے حل کا بہترین ذریعہ ہے۔

اللہ تعالی کا فرشتوں سے مکالمہ :

اسی طرح اللہ تعالی کا فرشتوں کے ساتھ مکالمہ ہوا دونوں طرف سے سوالات و جواب ہوئے ۔فرشتے اللہ تعالی کی بہترین مخلوق ہیں اور اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کر سکتے ۔فرشتوں کے ساتھ اللہ کا مکالمہ جب اللہ تعالی نے فرمایا میں زمین پر ایک نائب بنانے والا ہوں۔

قال اللہ تعالی :

﴿ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرْضِ خَلِيفَةً قَالُواْ أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاء وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لاَ تَعْلَمُونَ ﴾[1]

ترجمہ: جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا تھا کہ "میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں" انہوں نے عرض کیا "کیا آپ

1- سورۃ البقرۃ : 30

زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے نظام کو بگاڑ دے گا اور خون ریزیاں کرے گا؟ آپ کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح اور آپ کی تقدیس تو ہم کر ہی رہے ہیں" فرمایا۔ "میں جانتا ہوں، جو کچھ تم نہیں جانتے۔"

مفسرین کرام لکھتے ہیں: "اس مکالمے میں اللہ تعالی نے فرشتوں کے ساتھ مکالماتی اسلوب اختیار کرتے ہوئے لوگوں کے لیے بنی نوع انسان کی بعثت کا مقصد بیان کیا ہے۔"[1]

اللہ تعالی نے یہ واقعہ اس لیے بیان کیا کہ لوگوں کو مشاورت کی تعلیم دی جائے کہ ہر کام مشاورت سے کیا کرو اور کسی کو غیر اہم نہ سمجھو، دیکھو خود خالق کائنات اور مدبر العالمین مشورہ کرتا ہے اسی لیے کسی بھی اجتماعی ذمہ داری پر فائز شخص کو ہمیشہ مشورے کا اہتمام کرنا چاہیے اور پھر فرشتوں نے اختلاف کیا، اس سے یہ بھی سبق ملتا ہے کہ فریق ثانی جس بھی معیار کا ہو اسے اپنی رائے کھل کر دینی چاہیے۔[2]

اللہ تعالی کا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مکالمہ:

قال اللہ تعالی:

﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَى قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَى وَلَكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا وَاعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾[3]

ترجمہ: جب ابراہیم نے کہا تھا کہ "میرے مالک مجھے دکھا دے تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے" فرمایا: "کیا تو ایمان نہیں رکھتا ہے" اس نے عرض کیا: "ایمان تو رکھتا ہوں مگر دل کا اطمینان درکار ہے" فرمایا: "اچھا تو چار پرندے لے اور ان کو اپنے سے مانوس کرے۔ پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ایک ایک پہاڑ پر رکھ دے پھر ان کو پکار وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے خوب جان لے اللہ با اقتدار اور حکیم ہے۔"

حضرت ابراہیم نے جب اپنے رب سے عرض کیا اے میرے رب مجھے بتا تو کیسے مردوں کو زندہ کرتا ہے تو اس کے جواب میں نہ تو اللہ تعالی نے خاموشی اختیار کی اور نہ ڈانٹ پلائی بلکہ عالمانہ انداز میں یقین دلاتے ہوئے پوچھا کیا تمھیں اس بات پر یقین نہیں آرہا۔ تو ابراہیم نے کہا کیوں نہیں لیکن میں اطمینان قلب چاہتا ہوں۔ یہاں اللہ تعالی نے اپنے محبوب بندے اور ابوالانبیاء سے علمی انداز میں مکالمہ کیا۔

1- تفسیر المنار، محمد رشید رضا، دار المعرفۃ، بیروت، ط: 2، (د۔ت)

2- تفسیر ابن کثیر

3- سورۃ البقرۃ: 260

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مکالمہ :

قال اللہ تعالی : ﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَى صَعِقًا فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (1)

ترجمہ : جب وہ ہمارے مقرر کیے ہوئے وقت پر پہنچا اور اس کے رب نے اس سے کلام کیا تو اس نے التجا کی "اے رب مجھے یارائے نظر دے کہ میں تجھے دیکھ سکوں " فرمایا۔ "تو مجھے نہیں دیکھ سکتا۔ہاں اگر سامنے کے پہاڑ کی طرف دیکھ، اگر وہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو البتہ تو مجھے دیکھ سکے گا" چنانچہ اس کے رب نے جب پہاڑ پر تجلی کی تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا اور موسیٰ غش کھا کر گر پڑا جب ہوش آیا تو بولا" پاک ہے تیری ذات، میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں اور سب سے پہلا ایمان لانے والا میں ہوں۔"

حضرت موسیٰ نے اللہ تعالی سے کہا کہ میں آپ کا دیدار کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرے یقین میں اضافہ ہو سکے۔اللہ تعالی نے ان کے مطالبے کو فوراً رد نہیں کیا اور نہ موسیٰ کی سرزنش کی بلکہ انتہائی علمی اور عقلی اسلوب میں مکالمہ کیا۔اس مکالمہ میں ہمیں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ دوران مکالمہ اگر فریق ثانی اپنے یقین کی پختگی کے لیے کوئی مطالبہ کرے یا کوئی دلیل مانگے تو اسے فوراً رد نہیں کرنا چاہیے بلکہ علمی اور عقلی اسلوب اپنانا چاہیے۔

حضرت نوح علیہ السلام سے مکالمہ :

قال اللہ تعالی: ﴿فَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ أَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَإِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ○ فَإِذَا اسْتَوَيْتَ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَجَّانَا مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ○﴾ (2)

ترجمہ : ہم نے اس پر وحی کی کہ ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق کشتی تیار کرو۔ پھر جب ہمارا حکم آ جائے اور وہ تنور ابل پڑے تو ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا لے کہ اس میں سوار ہو جا، اور اپنے اہل و عیال کو بھی ساتھ لے سوائے ان کے جن کے خلاف پہلے فیصلہ ہو چکا ہے اور ظالموں کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا، یہ اب غرق ہونے والے ہیں۔

1- سورۃ الاعراف: 143

2- سورۃ المومنون: 27-28

اہل و عیال کے اس حکم پر نوح علیہ السلام اور اللہ تعالی میں مکالمہ ہوتا ہے:

قال اللہ تعالی: ﴿وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ○ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ○ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ○﴾[1]

ترجمہ: نوح نے اپنے رب کو پکارا۔ کہا "اے رب میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب حاکموں سے بڑا اور بہتر حاکم ہے" جواب میں ارشاد ہوا۔ "اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں سے نہیں ہے وہ تو ایک بگڑا ہوا کام ہے لہذا تو اس بات کی مجھ سے درخواست نہ کر جس کی حقیقت تو نہیں جانتا میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو جاہلوں کی طرح نہ بنالے" نوح نے فوراً عرض کیا "اے میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ چیز تجھ سے مانگوں جس کا مجھے علم نہیں۔ اگر تو نے مجھے معاف نہ کیا اور رحم نہ فرمایا تو میں برباد ہو جاؤں گا"

حضرت یوسف علیہ السلام کا مکالمہ:

حضرت یوسف کا اپنے جیل کے ساتھیوں کے ساتھ مکالمہ قرآن میں یوں بیان ہوا ہے۔

﴿يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ مَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا أَنزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلّٰهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾[2]

ترجمہ: اے زنداں کے ساتھیوں، تم خود ہی سوچو کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ اس کو چھوڑ کہ تم جن کی بندگی کر رہے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ بس چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے رکھ لیے ہیں اللہ نے ان کے لیے کوئی سند نازل نہیں کی فرمانروائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے اس کا حکم ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی بندگی نہ کرو، یہی سیدھا طریق زندگی ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

حضرت یوسف سے جیل کے ساتھی اپنے خوابوں کی تعبیر پوچھتے ہیں، تو حضرت یوسف تعبیر دینے سے پہلے انہیں ایمان کی دعوت دیتے ہیں، اور شرک و مخلوق پرستی سے نفرت دلاتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ کہ اللہ واحد جس نے ہر چیز پر تصرف رکھا ہے

1- سورۃ ھود: 45-46-47

2- سورۃ یوسف: 39-40

جس کے سامنے تمام مخلوق پست و عاجز و لاچار و بے بس ہے جس کا ثانی شریک اور ساجھی کوئی نہیں۔ جس کی عظمت و سعت چپے چپے اور ذرے ذرے پر ہے وہی ایک بہتر یا تمھارے یہ خیالی کمزور اور ناکارے بہت سے معبود بہتر؟ پھر فرمایا تم جن کی پوجا پاٹ کرتے رہے ہو بے سود ہیں یہ نام اور ان کے لیے عبادت یہ تمھاری اپنی اختراع ہے"[1]

حضرت یوسف اور جیل کے ساتھیوں کے مکالمے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان مکالمے میں مضبوط اور ٹھوس دلائل سے اپنے فریق کو حق کا قائل کر سکتا ہے۔

حوار ابراہیم علیہ السلام۔ مع والدہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے نبی اور رسول تھے اللہ تعالیٰ نے جب انہیں اپنے دین کی دعوت کے لیے منتخب کیا تو انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائیں اور سب سے پہلے اپنے قریب ترین لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچائیں۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو سب سے پہلے دین کی دعوت دی اور ان سے کہا کہ ابا جان آپ ان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہیں جو نہ سنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں اور نہ یوم حساب کو آپ کے کچھ کام آسکیں گے ابا جان آپ ان بتوں کی پوجا چھوڑ دیں قرآن میں حضرت ابراہیم اور ان کے والد کے درمیان ہونے والے مکالمے کو بیان کیا گیا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا۔ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا۔ يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا۔ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا۔ يَا أَبَتِ إِنِّي أَخَافُ أَن يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمَٰنِ فَتَكُونَ لِلشَّيْطَانِ وَلِيًّا۔ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنتَ عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرَاهِيمُ لَئِن لَّمْ تَنتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا۔ قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا﴾[2]

ترجمہ: اور اس کتاب میں ابراہیم کا قصہ بیان کرو۔ بے شک وہ ایک راست باز انسان اور ایک نبی تھا جب کہ اس نے اپنے باپ سے کہا کہ "ابا جان آپ کیوں ان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ سنتی ہیں اور نہ دیکھتی ہیں اور نہ آپ کا کوئی کام بنا سکتی ہیں؟ ابا جان، میرے پاس ایک ایسا علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا آپ میرے پیچھے چلیں میں آپ کو سیدھا راستہ بتاؤں گا، ابا جان آپ شیطان کی بندگی نہ کریں شیطان تو رحمان کا نافرمان ہے، ابا جان مجھے ڈر ہے کہ

1- تفسیر ابن کثیر ج: دوم ، ص 568

2- سورۃ مریم : 41-47

کہیں آپ رحمان کے عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں اور شیطان کے ساتھی بن کر رہیں۔ باپ نے کہا کیا تو میرے معبودوں سے پھر گیا ہے؟ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا بس تو ہمیشہ کے لیے مجھ سے الگ ہو جا۔ ابراہیم نے کہا" سلام ہے آپ کو میں اپنے رب سے دعا کروں گا کہ آپ کو معاف کر دے میرا رب مجھ پر نہایت مہربان ہے۔
حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اپنے والد کے ساتھ مکالمہ سے ہمیں جو راہنما اصول ملتے ہیں وہ درج ذیل ہیں: 1۔ اچھی صفات سے مزین ہونا جن میں سے صدق (سچائی) سب سے بڑی صفت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

قال اللہ تعالی: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا﴾[1]

2۔ سب سے پہلے اپنے قریب ترین لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دینا اور یہ صلہ رحمی کے تقاضوں میں سے ہے۔

قال اللہ تعالی: إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا[2]

3۔ کلام میں نرمی اور حسن خلق مکالمہ کی سب سے اہم خوبی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام والد سے کس طرح نرمی سے معاملہ کرتے ہیں اور آخر میں بہترین حسن سلوک کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

قال اللہ تعالی: ﴿قَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي إِنَّهُ كَانَ بِي حَفِيًّا﴾[3]

کیا حسن معاملہ ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے کہ انکار کے بعد بھی سلامتی کی دعا دے کر جدا ہو رہے ہیں۔

4۔ اللہ کے سوا تمام معبود کمزور اور عاجز ہیں وہ انسان کو کچھ بھی نہیں دے سکتے۔

قال اللہ تعالی: ﴿إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِي عَنكَ شَيْئًا﴾[4]

5۔ شیطان کے ہتھکنڈوں سے بچنا کیونکہ شیطان کے رستے پر چلنا دراصل شیطان کی اطاعت کرنا ہے۔

قال اللہ تعالی: ﴿يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا﴾[5]

حضرت ابراہیم انتہائی حکیمانہ انداز میں اپنے والد کو سمجھاتے ہیں آپ شیطان کے رستے پر مت چلیں کیونکہ شیطان اللہ کا نافرمان ہے۔

1- سورۃ مریم : 41

2- سورۃ مریم : 42

3- سورۃ مریم : 47

4- سورۃ مریم : 42

5- سورۃ مریم : 44

حضرت ابرہیم علیہ السلام کا مکالمہ بادشاہ وقت سے:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔ سب سے پہلے اپنے قریب ترین لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچایا پھر اس کے بعد اپنی قوم کو اللہ کے دین کا پیغام پہنچایا۔ اور پھر اس وقت کے بادشاہ کے سامنے رب کا پیغام پیش کیا۔ حضرت ابراہیم اور اس وقت کے بادشاہ کے درمیان جو مکالمہ ہوا اسے قرآن یوں بیان کرتا ہے۔

:﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (1)

ترجمہ: کیا تم نے اس شخص کے حال پر غور نہیں کیا جس نے ابراہیم سے جھگڑا کیا تھا؟ جھگڑا اس بات پر کہ ابراہیم کا رب کون ہے اور اس بناء پر کہ اس شخص کو اللہ نے حکومت دے رکھی ہے جب ابراہیم نے کہا کہ "میرا رب وہ ہے جس کے اختیار میں زندگی اور موت ہے" تو اس نے جواب دیا: "زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے" ابراہیم نے کہا "اچھا اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے ذرا مغرب سے نکال لا" یہ سن کر وہ منکر حق ششدر رہ گیا مگر اللہ ظالموں کو راہ راست نہیں دکھاتا

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اس ظالم اور جابر بادشاہ کے ساتھ مکالمہ بیان کیا کہ کس طرح حضرت ابراہیم نے اپنی دلیل اور حکمت سے اس بادشاہ کے دعویٰ رب کو مسترد کیا۔

"يذكر الله تعالى مناظرة خليله أبي الأنبياء -عليه السلام- مع هذا الملك الجبار المتمرد الذي ادّعى لنفسه الربوبية. فأبطل الخليل - عليه السلام- عليه دليله. وبين كثرة جهله وقلة عقله وألجمه الحجة، وأوضح له طريق المحجة" (2)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے نبی ﷺ! تم نے اپنے دل سے اسے نہیں دیکھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وجود باری تعالیٰ میں مباحثہ کرنے لگا۔ یہ شخص خود اللہ ہونے کا مدعی تھا جسے کہ اس کے بعد فرعون نے بھی اپنے والوں میں دعویٰ کیا تھا کہ میں اپنے سوا کسی کو تمہارا اللہ نہیں جانتا۔ چونکہ یہ ایک مدت مدید سے بادشاہ چلا

1- سورۃ البقرۃ: 258

2- قصص الانبیاء، ابن کثیر، ص: 167

آرہا تھا، اس لئے انانیت اور سرکشی آگئی تھی۔ اور حضرت ابراہیم۔ علیہ السلام۔ سے وجود باری تعالیٰ پر دلیل مانگی تو آپ نے نیست سے ہست اور ہست سے نیست کرنے کی دلیل دی جو ایک بدیہی اور مثل آفتاب روشن دلیل تھی۔

صاحب الجنتین میں مکالمہ:

قال الله تعالیٰ: ﴿وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ○ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ أُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا وَفَجَّرْنَا خِلَالَهُمَا نَهَرًا ○ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ○ وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَٰذِهِ أَبَدًا ○ وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً وَلَئِن رُّدِدتُّ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنقَلَبًا ○﴾ (2)

ترجمہ: اے نبی ﷺ ان کے سامنے ایک مثال پیش کرو دو شخص تھے۔ ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دیے اور ان کے گرد کھجور کے درختوں کی باڑ لگائی اور ان کے درمیان کاشت کی زمین رکھی۔ دونوں باغ خوب پھلے پھولے اور بارآور ہونے میں انہوں نے ذرا بھی کسر نہ چھوڑی ان باغوں کے اندر ہم نے ایک نہر جاری کر دی اور سے خوب نفع حاصل ہوا۔ یہ کچھ پا کر ایک دن وہ اپنے ہمسائے سے بات کرتے ہوئے بولا "میں تجھ سے زیادہ مالدار ہوں اور تجھ سے زیادہ نفری رکھتا ہوں" پھر وہ اپنی جنت میں داخل ہوا اور اپنے نفس کے حق میں ظالم بن کر کہنے لگا "میں نہیں سمجھتا کہ یہ دولت کبھی فنا ہو جائے گی، اور مجھے توقع نہیں کہ قیامت کی گھڑی کبھی آئے گی تاہم اگر کبھی مجھے اپنے رب کے حضور پلٹایا بھی گیا تو ضرور اس سے بھی زیادہ شاندار جگہ پاؤں گا"

یہاں ایک مثال بیان کی جاتی ہے کہ دو شخص تھے جن میں سے ایک مالدار تھا، انگوروں کے باغ، اور گرد کھجوروں کے درخت درمیان میں کھیتی کے درخت پھلے ہوئے، بیلیں ہری، کھیتی سرسبز، پھل پھول بھرپور، نقصان کسی قسم کا نہیں اور نہریں جاری۔ اس کے پاس ہر وقت طرح طرح کی پیداوار موجود رہتی۔ اور وہ انتہائی مالدار شخص تھا۔ الغرض ایک دن اس نے اپنے ایک دوست سے انتہائی فخر و غرور کرتے ہوتے کہا کہ میں مالداری میں، عزت و اولاد میں، جاہ و حشم اور نوکر چاکر میں تجھ سے زیادہ حیثیت والا ہوں۔ وہ اپنے باغ گیا اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا یعنی تکبر اور انکار قیامت اور کفر کرتا ہوا، اس وقت مست تھا کہ اس کی زبان سے یہ نکلنا ناممکن تھا کہ یہ میری لہلہاتی کھیتیاں، یہ

1- تفسیر ابن کثیر، جلد اول، ص: 378

2- سورۃ الکھف: 32-33

پھلدار درخت اور یہ سر سبز فصلیں کبھی فنا ہو جائیں گی۔ حقیقت میں یہ اس کی کم عقلی اور بے ایمانی اور دنیا پرستی اور اللہ کے ساتھ کفر کی وجہ تھی۔ اسی لئے کہنے لگا کہ میرے خیال مین تو قیامت آنے والی نہیں اور اگر بالفرض آئی بھی تو میں خدا کا پیارا ہوں ورنہ وہ مجھے اس قدر مال و متاع کیسے دیتا تو وہاں بھی وہ مجھے اس سے بھی بہتر عطا فرمائے گا۔

جیسے کہ ہمیشہ ہی دولت و اقتدار کے نشے میں لوگ ہی سمجھتے رہے ہیں کہ ہم اللہ کے پیارے ہیں اسی لئے اللہ نے ہمیں نوازا ہے اور وہاں بھی اللہ ہمیں بہتر عطا فرمائے گا۔ جیسے کہ ایک اور آیت میں ہے۔

﴿وَلَئِن رُّجِعْتُ إِلَى رَبِّي إِنَّ لِي عِندَهُ لَلْحُسْنَى﴾ (2)

ترجمہ: اگر میں لوٹایا گیا تو وہاں میرے لئے اور اچھائی ہو گی

اسی طرح ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے:

﴿أَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا﴾ (3)

ترجمہ: تو نے اسے بھی دیکھا ہے جو ہماری آیتوں سے کفر کر رہا ہے اس کے باوجود اس کی تمنا ہے کہ مجھے قیامت کے دن بھی بکثرت مال و اولاد ملے۔

الحوار بين الأتباع والمتبوعين

قرآن کی کچھ آیات جن میں الاتباع والمتبوعین کے درمیان ہونے والے مکالمات ہیں۔ جس میں اتباع کرنے والے قیامت کے دن نادم ہوں گے اور بہت پشیمان ہوں گے لیکن یہ ندامت اور پشیمانی انہیں کوئی کام نہیں آئے گی۔ سوائے پچھتاوے کے اور زندگی کے کسی بھی میدان میں بلا سوچے سمجھے اتباع کرنا خطرے سے خالی نہیں چاہے وہ انفرادی معاملہ ہو، اجتماعی، سیاسی یا اقتصادی اندھا دھند پیروی اور اتباع انسان کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے۔

"وللتبعية آثارونتائج خطيره، على المستوى الفردى والجماعي والسياسي والاقتصادى، والأخلاق والمحلي والدولي، والحضاري، والمستقبلي، لقد كان لوجود الأتباع والمتبوعين عند الأمم السابقة.أثر مباشر على ما أصاب تلك الأمم من عقاب وعذاب ودمار وهلاك ولوجود الأتباع والمتبوعين عند الشعوب والدول المعاصرة. أثر

1- تفسیر ابن کثیر، جلد دوم، ص: 845

2- سورۃ فصلت: 50

3- سورۃ مریم: 77

مباشر على واقع هذه الشعوب والدول. وعلى المستوى الذى تعيشه في حيتهم وله أثر مباشر على ما ينتظر هذه الأمم والشعوب من أحداث وتطورات في مستقبلهم[1]

قرآن کریم میں اللہ تعالی الحوار بین الاتباع والمتبوعین کو بیان کرتے ہیں:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِن دُونِ اللَّهِ أَندَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ○ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ○ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ﴾[2]

ترجمہ: کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مد مقابل بناتے ہیں اور ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی اللہ کے ساتھ گرویدگی ہونی چاہیے۔ حالانکہ ایمان رکھنے والے لوگ سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔ کاش جو کچھ عذاب کو سامنے دیکھ کر ان کو سوجھنے والا ہے وہ آج ہی ان ظالموں کو سوجھ جائے کہ ساری طاقتیں اور سارے اختیارات اللہ ہی کے قبضے میں ہیں اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بہت سخت ہے جب وہ سزا دے گا اس وقت کیفیت یہ ہوگی کہ وہی پیشوا اور رہنما جن کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی اپنے پیروؤں سے بے تعلّقی ظاہر کریں گے مگر سزا پا کر رہیں گے اور ان کے سارے اسباب ووسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کرتے تھے کہیں گے "کہ کاش ہم کو پھر ایک موقع دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بے زاری ظاہر کر رہے ہیں ہم ان سے بے زار ہو کر دکھا دیتے یوں اللہ ان لوگوں کے وہ اعمال جو یہ دنیا میں کر رہے ہیں ان کے سامنے اس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں اور پشیمانیوں کے ساتھ ہاتھ ملتے رہیں گے مگر آگ سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔"

جب متبوعین ان سے لا تعلّقی کا اظہار کریں گے تو تابعین اپنے کیے پر نادم ہوں گے اور قیامت کے دن وہ کسی کو اپنا مددگار نہ پائیں گے اور کوئی ایسی چیز نہ ہو گی جو ان سے اللہ کا عذاب دور کر سکے وہ اپنی آنکھوں سے عذاب کو دیکھیں گے اللہ کے عذاب سے آج خلاصی دلانے والا کوئی نہیں "آج تمام اسباب اور روابط منقطع ہو جائیں گے اس روز انہیں اپنے عظیم خسارے کا اندازہ ہو جائے گا پھر کہیں گے:

﴿لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا﴾

1- الأتباع والمتبوعین فی القرآن، الخالدی، صلاح عبد الفتّاح، دار المنار، عمان، ط:1، (1417ھ-1996م)

2- سورۃ البقرۃ : 165-167

"فهما هم يتمنون الرجوع ألى الدنيا حتى يطيعو الله تعالى و يتبرؤ وا منهم في الآخرة إذا حشروا جميعاً مثل ما تبرّأ المتبوعون أولاً منهم "[1]

لیکن ان کا ٹھکانہ ہمیشہ کی آگ ہے:

"والله عزوجل يري الكافرين أعمالهم الخبيثة حسرات عليهم لم عملوا بها؟ وهلا عملوا بغيرها؟ فندموا على ما فرط منهم من أعمالهم الرديئة عند ما رأوا العقاب عليها ومصيرهم النار مخلّدون فيها بسبب كفرهم، وندمهم وحسرتهم لاينجيهم من الخلود في النار"[2]

"يتمنى العابدون الرجوع إلى الدنيا حتى يتبرؤوا من الاهة المزعومة"[3]

3۔ کسی کے لیے محض اتباع اور محض تقلید کرنے میں کوئی عذر نہیں۔

"لا عذر لأحد في الأتباع المحض، والتقليد المحض"[4]

4-اتباع کرنے والے متبوعین کے ساتھ عذاب میں برابر کے شریک ہوں گے۔ اور حساب کے لیے ان کے ساتھ کھڑے ہوں گے اور وہ بھی حسرت کریں گے۔ ندامت اور ذلت محسوس کریں گے اور ان کے ساتھ ساتھ جہنم میں داخل ہوں گے اور ان کے ساتھ آگ میں الٹائے جائیں گے اور عذاب چکھیں گے اور ایک ساتھ ہی عذاب میں ہمیشہ رہیں گے

1- البحر المحيط، ابوحيان، ج: 1، ص: 474

2- الجامع البيان، امام الطبری، الجزاء الاول، ص 519-520

3- التفسير المنير، الزحيلی، ج: دوم، ص: 70

4- تفسير المنار، رضا، علامہ رشيد رضا، ج: دوم، ص: 69

مکالمہ کے نظائر واسلوب سیرت طیبہ کی روشنی میں

آپ ﷺ کا مکالمہ بواسطہ مراسلات:

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالی نے تمام عالم کے لیے رسول بنا کر بھیجا اور تمام انسانوں تک حق کا پیغام پہنچانے کے لیے سلسلہ شروع کرنا آپ ﷺ کی ذمہ داری تھی ورنہ حق رسالت ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ کے مکالمہ کے بہت سے انداز اور نمونے پائے جاتے ہیں جو فن گفتگو میں مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں ان سے استفادہ کرنا چاہیے۔

مسلم امت چونکہ دعوت کی امت ہے اسکی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ دین اسلام کی دعوت ہر انسان تک پہنچائے اللہ تعالی نے اپنی پاک کتاب میں فرمایا:

﴿کنتم خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ﴾[1]

ترجمہ: اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے تم نیکی کا حکم دینے ہو بدی سے روکتے ہو اور اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہو۔

مسلمان دنیا میں اللہ تعالی کا سپاہی ہے لہٰذا اسکی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ تعالی کی زمین پر نیکی پھیلائے اور برائی مٹائے جب تک وہ اس ذمہ داری کو ادا کرتا رہے گا تو وہ بہترین امت کا بہترین فرد ہو گا اور ایسے ہی شخص کو آپ ﷺ نے بہترین انسان بتایا ہے۔

ان آیات کی روشنی میں زبان کا ایک اہم کردار یہ ہے کہ اس سے نیکیاں پھیلانے اور برائیاں ختم کرنے کا کام لیا جائے کیونکہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنا آخرت میں بڑے اجر وثواب کا باعث ہے

اور اس دعوت دین کے لیے ہمارے سامنے سب سے بہترین نمونہ آپ ﷺ کی ذات ہے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آپ ﷺ نے اس دعوت دین کے لیے کیا کیا وسائل استعمال کیے جب ہم سیرت طیبہ پر نظر دوڑاتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے کفار کو ملاقاتوں کے ذریعے بھی دعوت حق پہنچائی اور رسائل کے ذریعے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کو دعوت دین کی طرف بلایا۔

1-سورۃ آل عمران: 110

اولاً: لقاء النبی ﷺ مع ورقہ بن نوفل[1]

ورقہ بن نوفل ان چار افراد میں سے ایک ہیں جو قریش کے دین سے جدا ہو گئے اور ورقہ بن نوفل دین مسیح پر جم گئے اور جب نبی کریم پر پہلی وحی نازل ہوئی تو حضرت خدیجہ آپ ﷺ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں وہ آپ کے چچا کا بیٹا تھا اور انہیں پوری بات بتائی تو ورقہ بن نوفل نے کہا قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں ورقہ کی جان ہے یہ ناموس وہی ہے جو موسیٰ پر وحی لاتا تھا اور بے شک آپ ﷺ اس امت کے نبی ہوں گے۔

"السیرۃ النبویۃ" میں آیا ہے: "ولما عاد النبی ﷺ من اعتكافه ثانية من غار حرا صنع كما كان يصنع .فبدأ بالكعبة فطاف بها، فلقيه ورقه بن نوفل وهو يطوف. فقال: يا ابن أخي أخبرني بما رأيت وسمعت فأخبره النبی ﷺ فقال له ورقه: والذی نفسيي بيده. إنك لنبي هذه الأمة، ولقد جاءك الناموس الأكبر الذی جاء موسى ولتكذبنه ولتخرجنه ولتقاتلنه،ولئن أدرك ذلك اليوم لأ نصرن الله نصرًا يعلمه ثم أدنى رأسه فقبل يافوخه، ثم انصرف رسول الله إلى منزله[2]

صحیح بخاری میں بھی یہ روایت آئی ہے جس کے الفاظ یوں ہیں:

"فانطلقت به خديجه حتى أتت به ورقة بن نوفل بن أسد بن عبد العزى ابن عم خديجة،وكان امرأ تنصرفي الجاهلية،وكان يكتب الكتاب العبراني، فيكتب من الإنجيل بالعبرانية ماشاءالله أن يكتب،وكان شيخاً كبيراً قد عمي ـفقالت له خديجة :يا ابن عم ،اسمع من ابن أخيك ـفقال له ورقه: يا ابن أخي ماذا ترى ؟فأخبره النبی صلى الله عليه وسلم خبر مارأى فقال له ورقة: هذا الناموس الذی نزل الله على موسى يا ليتني فيها جذعاً ،ليتني أكون حياً اذيخرجك قومك فقال النبی صلى الله عليه وسلم :أومخرجی هم ؟ قال: نعم، لم يأت رجل قط بمثل ما جئت به إلاعودي، وإن يدركني يومك أنصرك نصراً مؤزراًثم لم ينشب ورقه أن توفي۔

1- الاصابہ فی تمیز الصحابۃ ،احمد بن حجز العسقلانی ،وبھامشہ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ،ابن عبداللہ الاندلسی ،دار الکتاب العربی ،(د۔ت)، (597/3)

2- السیرۃ النبویہ، عبدالملک بن ہشام دار ابن کثیر،(د۔ت) السیرۃ النبویہ (2۔1 /222۔19) اسی کتاب کا 1۔2 ،238

ترجمہ: اسکے بعد حضرت خدیجہ آپ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو ان کے چچازاد بھائی تھے وہ زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے اور عبرانی لکھا کرتے تھے چنانچہ انجیل کو عبرانی زبان میں لکھتے جتنا اللہ کو منظور ہوتا بہت بوڑھے ضعیف اور نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت خدیجہ نے ان سے کہا اے چچازاد بھائی! اپنے بھتیجے محمد کی بات تو سنیے وہ بولے، اے بھتیجے! کہو تم کیا دیکھتے ہو؟ آپ نے جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا تب ورقہ بے اختیار بول اٹھے یہ تو وہی ناموس ہے جو اللہ نے موسیٰ پر نازل کیا تھا کاش میں اس عہد (نبوت) میں جوان ہوتا کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ کی قوم آپ کو نکال دے گی رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا وہ مجھے نکال دیں گے ورقہ نے کہا ہاں جو شخص بھی اس طرح کی چیز لے کر آیا جیسی آپ لائے ہیں لوگ اس کے دشمن ہو گئے اگر مجھے آپ ﷺ کی نبوت کا زمانہ مل گیا تو میں آپکی پوری مدد کروں گا پھر کچھ ہی دنوں بعد ورقہ کا انتقال ہو گیا۔[1]

"وقد اختلف في شأن ورقة بن نوفل، هل هو صحابي أم لا؟[2]

وقد وردت عدّة أحاديث عن فضل ورقة بن نوفل، ومقامه عند الله تعالى في الدار الاخرة، من ذلك قول النبي ﷺ: أريته في المنام (يعني ورقة)، وعليه ثياب بياض ولو كان من أهل النار لكان عليه لباس غير ذلك"[3]

"وقوله ﷺ: لا تسبوا ورقة، فإني رأيت له جنة أو جنتين"[4]

ورقہ بن نوفل کے فضائل سے متعلق کئی احادیث ملتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ورقہ کو گالی مت دو میں نے اس کے لیے ایک یا دو باغ دیکھے یہ سب سے پہلی ملاقات تھی جو نبی کریم ﷺ اور اہل کتاب کے کسی فرد کے درمیان ہوئی اور وہ شخص سابقہ آسمانی کتب کا عالم تھا اور اس شخص نے سب سے پہلے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کی اور آپ کو اس عظیم کام پر ثابت قدم رہنے کی دعا دی اور تمنی کی کہ اللہ اسے طویل زندگی دے اور وہ رسول اللہ کی مدد کرے۔ شاید اللہ تعالیٰ نے ورقہ بن نوفل کو عیسائیوں کے لیے مثال بنایا کہ دیکھو ورقہ کے پاس جو علم تھا اس نے چھپایا نہیں بلکہ فوراً آپ ﷺ کی نبوت کی نشانیاں دیکھ کر پہچان گیا کہ آپ ہی وہ اللہ کے آخری نبی ہیں جن کا ذکر ان کتابوں میں ہے۔

1- صحیح بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، مترجم مولانا ظہور الباری، مکتبہ دارالاشاعت کراچی، ط [illegible] کتاب بدء الوحی، حدیث: 3، ص: 37

2- الاصابہ 598/3

3- الترمذی، محمد بن عیسی الترمذی، عبدالرحمن مثمان، دارالفکر۔ بیروت، ط:3، (1978)، (540/4)

4- المستدرک علی الصحیحین، الحاکم السیابوری، دارالمعرفۃ، بیروت، (د-ت)، (609/2)

ثانیاً: لقاء النبی ﷺ مع وفد نجران:

رسول ﷺ کے پاس بخران کا ایک وفد مدینہ آیا اس وفد نے نماز عصر کے بعد مسجد نبوی میں آپ سے ملاقات کی اسی اثناء میں ان کی نماز کا وقت ہو گیا وہ مسجد نبوی میں نماز پڑھنے لگے لوگوں نے ان کو منع کرنا چاہا رسول اللہ نے فرمایا پڑھ لینے دو ان لوگوں نے مشرق کی طرف رخ کر کے نماز ادا کی، ان کی کل تعداد ساٹھ تھی جن میں سے 24 آدمی ان کے شرفاء میں سے تھے اور تین بڑے امیر تھے۔ تیسرا شخص ابو حارثہ ابن علقمہ تھا جو ان کا سجارج تھا اس نے مذہبی کتابوں کا مطالعہ بھی کر رکھا تھا روم کے بادشاہوں نے اس کے علم و تفقہ کی وجہ سے اسے دولت سے مالا مال کر دیا۔ یہ حضرات رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے لگے تو بخران سے روانہ ہوئے اور ابو حارثہ ایک خچر پر اپنے ایک بھائی کرز بن علقمہ کے ساتھ سوار ہو کر آ رہے تھے۔ اچانک ابو حارثہ کو ٹھوکر لگی کرز نے کہا تعس الابعد (حیات کرنے والا ہلاک ہو) ابو حارثہ نے کہا تم ہلاک ہو کرز نے تعجب سے کہا آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں ابو حارثہ نے کہا خدا کی قسم یہ وہی نبی ہے جن کا ہم انتظار کرتے تھے کرز نے کہا پھر تم کو کون سی چیز ان پر ایمان لانے سے روکتی ہے اس نے جواب دیا کہ ہماری قوم جس نے ہم کو عزت و دولت سے نوازا ہے وہ مخالفت کر رہی ہے۔[1]

اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جس کسی نے بھی آپ ﷺ سے ملاقات کی اور اس کی آپ ﷺ کے ساتھ گفتگو ہوئی وہ آپ کی نبوت کو پہچان گیا۔ البتہ دین اسلام قبول نہ کرنے کی وجوہات الگ ہیں کسی کو دولت نے روکا کسی کو اقتدار نے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ حبش کے نصاری کو جب رسول اللہ کی بعثت کی خبر پہنچی تو تقریباً بیس آدمی آپ ﷺ کے پاس مکہ آئے آپ ان کو مسجد حرام میں ملے پھر وہ آپ کے پاس بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے ان کے سامنے قریش کے کچھ آدمی خانہ کعبہ کے گرد اپنی مجلس میں موجود تھے جب وہ حضرات سوالات سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور ان کے سامنے قرآن کریم کی چند آیتیں تلاوت کیں کلام الٰہی کو سن کر ان پر رقت طاری ہو گئی اور رونے لگے اور پھر دعوت قبول کر لی اور حلقہ اسلام میں داخل ہو گئے انہوں نے ان علامتوں کو بھی پہچان لیا جو ان کتابوں میں آپ کے متعلق تھیں جب وہ جانے لگے تو ابو جہل قریش کے چند آدمیوں کے ساتھ ان کے سامنے آ پہنچا اور کہنے لگا اللہ تمھیں ناکام کرے تمھاری قوم کے جو افراد نہیں آئے ان کو تمھاری آمد ہی نے روک دیا ہے کیونکہ تم کو بھیج کر انہوں نے یہ امید باندھ رکھی ہے کہ تم ان کو اس آدمی کے متعلق مطلع کرو گے لیکن تمھاری حالت تو یہ ہے کہ اس آدمی کے

1- ہدایۃ الحیاری من الیہود والنصاری، محمد بن قیم الجوزیۃ، مترجم: علامہ زبیر احمد، مکتبہ البخاری کراچی، طبع اول، ص 88

پاس تھوڑی دیر بیٹھے ہی تھے کہ اپنے دین ہی کو چھوڑ بیٹھے اور اس کے قول کی تصدیق کر دی تم سے زیادہ بے وقوف کسی قافلے کو میں نے نہیں دیکھا ان قافلے والون نے اس سے کہا تم پر سلامتی ہے ہم تمھاری جہالت میں تم سے بحث نہیں کریں گے ہمارے لیے وہی بہتر ہے جس پر تم۔ بہر حال ہم اپنے سے بہتر کسی کو نہیں پاتے۔[1]

یہ قافلہ نجران کے نصاری کا تھا اور انہی کے بارے میں قرآن کریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِن قَبْلِهِ هُم بِهِ يُؤْمِنُونَ ○ وَإِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ ○ أُوْلَئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُم مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوا وَيَدْرَؤُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ○ وَإِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ أَعْرَضُوا عَنْهُ وَقَالُوا لَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِينَ ○[2]

ترجمہ: جن لوگوں کو اس سے پہلے ہم نے کتاب دی تھی وہ اس (قرآن) پر ایمان لاتے ہیں اور یہ جب ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ کہتے ہیں "ہم اس پر ایمان لائے، یہ واقعی حق ہے ہمارے رب کی طرف سے ہم تو پہلے سے مسلم ہی" یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دو بار دیا جائے گا اس ثابت قدمی کے بدلے جو انہوں نے دکھائی وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جب انہوں نے بے ہودہ بات سنی تو یہ کہہ کر اس سے کنارہ کش ہو گئے کہ "ہمارے اعمال ہمارے لیے اور تمھارے اعمال تمھارے لیے تم کو سلام ہے ہم جاہلوں کا سا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہتے۔

ثالثاً: لقاء النبي ﷺ مع العبد النصراني عدّاس[3]

نبی کریم ﷺ کی ملاقات عدّاس سے اسوقت ہوئی جب آپ طائف کے لوگوں کو اللہ کے دین کی دعوت دینے گئے اور طائف والوں نے آپ کی دعوت کو ماننے سے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ آپکو مارا جس کی وجہ سے آپ ﷺ کے جوتے خون سے بھر گئے آپ ایک باغ میں جا کر بیٹھ گئے وہاں ایک جوان جس کا نام عدّاس تھا اس نے آپ کو کچھ انگور پیش کیے۔ آپنے ہاتھ بڑھا کر انگور لے لیے اور پڑھا "بسم اللہ" اور پھر کھایا، تو عدّاس یہ کلمات سن کر آپ ﷺ کے چہرے کی طرف غور سے دیکھنے لگا اور بولا: واللہ اس شہر کے رہنے والے تو یہ کلمہ نہیں بولتے، تو آپ نے عدّاس سے پوچھا تم کس علاقے سے ہو اور تمھارا دین کیا ہے؟ وہ بولا میں نصرانی ہوں اور نینویٰ سے ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کہ

1- ہدایۃ الحیاری من الیھود و النصاری، محمد بن قیم الجوزیۃ، مترجم: یہود و نصاری تاریخ کے آئینے میں: علامہ زبیر احمد، مکتبہ اسحاقیہ کراچی، ط: اول، ص: 66-67

2- سورۃ القصص: 52-55

3- جامع البیان فی تفسیر القرآن، محمد بن جریر الطبری، تح: محمود احمد شاکر، دار المعارف، القاہرہ، (56/20)

رجل صالح یونس بن متی کے عدّاس بولا! آپ جانتے ہیں یونس بن متی کون ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا وہ میرا بھائی وہ بھی نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں عدّاس نے فوراً آپ کے ہاتھپاؤں اور سر کو چوما اور اسلام قبول کیا اور جب واپس ابن ربیعة گیا تو وہ بولا "ویلك یا عدّاس!" ہلاک ہو تو عدّاس کیا تو نے اس شخص کے ہاتھ اور پاؤں چومے تو عدّاس بولا: قال:یاسیدي، ما في الأرض شيئ خیر من هذا، لقد أخبرني بأمر لا یعلمه إلا نبی"[1]

رابعاً: لقاء النبي ﷺ مع الجارود بن عمرو

الجارود بن عمرو بنی عبدالقیس سے تھا۔ اسکی ملاقات چھ ہجری عام الوفود میں آپ ﷺ سے ہوئی وہ اپنی قوم کا سردار تھا اور وہ نصرانی تھا آپ نے اسے اسلام کی دعوت دی اور اسلام کی طرف مائل کیا تو وہ بولا اگر میں اپنا دین ترک کرلوں اور آپ ﷺ کا دین قبول کرلوں تو کیا اللہ مجھے عذاب تو نہیں دے گا آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے اسلام قبول کرلیا اور آپ ﷺ اس کے قبول اسلام سے بہت خوش ہوئے۔

جارود کے قبول اسلام کا واقعہ السیرۃ النبویۃ، الاصابۃ اور تاریخ الرسل والملوك سب جگہ درج ہے۔

"وهو من بني عبدالقیس، وكان ذلك اللقاء في عام الوفود في السنة السادسة للهجرة وكان زعیماً لقومه یعتنق النصرانیة. فعرض علیه الرسول ﷺ الإسلام ودعاه إلیه ورغبة فیه، فقال الجارود: أن لي دیناً فلي أن تركت دیني، ودخلت في دینك ألا یعذبني الله؟ فقال السول ﷺ: نعم فأسلم، وحسن أسلامه، وفرح به الرسول ﷺ وأدناه"[2]

خامساً: لقاء النبی ﷺ مع أحبار الیهود والوفد المسیحی

احبار الیهود اپنے سرداروں کے ساتھ اور نصاری کا وفد مسجد نبوی میں جمع ہوئے اور ان کی ملاقات نبی کریم ﷺ سے مدینہ منورہ میں عام الوفود میں ہوئی اور ان دونوں کے درمیان مجادلۃ ہوا۔ یہودیوں میں سے رافع بن حرملۃ یہودی نے نصاری کے وفد سے کہا: "ما أنتم علی شيئ" اور عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کیا اس کے جواب میں نصاری کے ایک

1- تاریخ الرسل والملوك، محمد بن جریر الطبری، دار الكتب العلمیة، بیروت، ط: 2، 1988، (99/2).

2- السیرۃ النبویۃ: (3-4/575)، والاصابۃ (213/1)، وتاریخ الرسل (199/2)

شخص نے جواب دیا: "ما أنتم على شئي" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا انکار کیا۔ ان کے اس مکالمہ/مجادلہ کا جواب قرآن میں اللہ تعالی نے یوں دیا۔

قال الله تعالی:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَى عَلَىَ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَى شَيْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لاَ يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُواْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾[1]

ترجمہ: یہودی کہتے ہیں: عیسائیوں کے پاس کچھ نہیں عیسائی کہتے ہیں: یہودیوں کے پاس کچھ نہیں حالانکہ دونوں ہی کتاب پڑھتے ہیں اور اسی قسم کے دعوے ان لوگوں کے بھی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم نہیں ہے یہ اختلافات جن میں یہ لوگ مبتلا ہیں ان کا فیصلہ اللہ قیامت کے روز کر دے گا۔

اس کے بعد وہ حضرت ابراہیم کے بارے مجادلہ کرنے لگے احبار نے کہا "ما کان ابراہیم إلا یہودیا" یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام تو صرف یہودی تھے اور نصاری نے کہا: " ما کان ابراہیم إلا نصرانیا" حضرت ابراہیم علیہ السلام تو صرف نصرانی تھے۔ اللہ نے ان کے جواب میں قرآن کی یہ آیات نازل فرمائیں:

قال اللہ تعالی:

﴿يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِي إِبْرَاهِيمَ وَمَا أُنزِلَتِ التَّوْرَاةُ وَالإنجِيلُ إِلاَّ مِن بَعْدِهِ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ ○ هَاأَنتُمْ هَؤُلاء حَاجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِ عِلمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَاللّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ ○ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلاَ نَصْرَانِيًّا وَلَكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ○﴾ [2]

ترجمہ: (اے اہل کتاب تم ابراہیم کے (دین کے) بارے میں ہم سے کیوں جھگڑتے ہو، تورات اور انجیل تو ابراہیم کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں۔ پھر تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے تم لوگ جن چیزوں کا علم رکھتے ہو ان میں خوب بحثیں کر چکے۔ اب ان معاملات میں کیوں بحث کرنے چلے ہو جن کا تمہارے پاس کچھ بھی علم نہیں۔ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے ابرہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی وہ تو ایک مسلم یکسو تھا وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھا")

1- سورۃ البقرۃ: 113

2- سورۃ آل عمران: 65-67

اس کے بعد احبار میں سے ایک شخص جس کا نام رفع القرظی تھا آپ کے طرف متوجہ ہوا اور بولا اے محمد ﷺ کیا آپ چاہتے ہیں ہم آپ کی عبادت اس طرح کریں جیسے عیسائی عیسی ابن مریم کی کرتے ہیں۔ اور پھر نجران میں سے ایک شخص جس کا نام الریّن تھا، وہ بولا اے محمد! کیا آپ ہم سے یہ بھی چاہتے ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا معاذ اللہ کہ میں کسی کی اللہ کے سوا عبادت کروں یا اللہ کے سوا کسی کی عبادت کا حکم دوں۔ اللہ نے مجھے اس لئے مبعوث نہیں کیا اور نہ اس کا حکم دیا۔

"ثم توجهوا إلي النبى صلى الله عليه وسلم وادّعوا عليه قولهم ـ على لسان أحد أحبارهم ـ و هو أبو رافع القرظي : أتريد منا يا محمد، أن نعبدك كما تعبد النصارى عيسى ابن مريم؟ فقال رجل من أهل نجران ، واسمه الربيّس : "أوذاك تريد منا يا محمد وإليه تدعونا ؟ " فقال يا رسول الله : "معاذ الله ، أن أعبد غير الله، أو آمر بعبادة غيره، فما بعثني بذلك الله، ولا أمرني" [1]

اس کے بعد بھی نبی کریم ﷺ اور ان احبار اور نصرانیوں کے درمیان مکالمہ ہوتا رہا لیکن جب آپ ﷺ ان کے اسلام قبول کرنے سے مایوس ہوگئے تو انہیں مباہلہ کی دعوت دی۔ مگر انہوں نے آپ ﷺ کو پہچان لیا۔ اور انہوں نے مباہلہ کرنے سے انکار کردیا اور اپنے اپنے علاقوں کی طرف لوٹ گئے۔ اور جانے سے پہلے آپ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے : فقالوا: يا ابا القاسم ، قد رأينا أن لا نلاعنك، وأن نتركك على دينك، ونرجع على ديننا ولكن ابعث معنا رجلاً من اصحابك ترضاه لنا ، يحكم بيننا في أشياء اختلفنا فيها في أموالنا، فإنكم عندنا رضاً۔ [2]

آپ ﷺ کا مکالمہ بواسطہ مراسلات:

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالی نے تمام عالم کے لیے رسول بنا کر بھیجا اور تمام انسانوں تک حق کا پیغام پہنچانے کا سلسلہ شروع کرنا آپ ﷺ کی ذمہ داری تھی ورنہ حق رسالت ادا نہیں ہو سکتا تھا۔ چنانچہ رسول اللہ نے جزیرہ عرب کے گردو نواح میں اس وقت کے تمام بادشاہوں کے نام خط لکھا چند ایک غیر مسلم امراء کے علاوہ قیصر و کسری وغیرہ کو بھی خط لکھے

1- لباب النقول فی إسباب النزول، جلال الدین سیوطی، الدار التونسیۃ للنشر، تونس، 1981ء، ص: 58
والسیرۃ النبویۃ، (1-2/ 554) إیضاً

2- السیرۃ النبویۃ: (1-2/584)

اسلام قبول کر لیا اور کفر و شرک کے اندھیروں سے نکل کر ایمان واسلام کی روشنی میں آگئے رسول اللہ نے یہ مراسلت بادشاہوں کے نام صلح حدیبیہ کے بعد چھ ہجری میں شروع کی۔

"بدأ الرسول ﷺ بمراسلة الملوك والأمراء بعد صلح الحديبيه في سنة سادسة للهجرة"[1]

1۔آپ ﷺ کا رسالہ نجاشی شاہ حبشہ کے نام:

حبشہ کے بادشاہ نجاسی نے حضور کی رسالت کا یقین کرکے اسلام اختیار کیا تھا،آپ کے اصحاب کی دشمنوں سے حفاظت کی تھی انہیں اپنے یہاں پناہ دی تھی یہی وہ نجاشی ہے جب اس کا انتقال ہوا تو اللہ کے رسول نے اپنے اصحاب کو اس کی وفات کی خبر دی جبکہ حبشہ اور مدینہ کے درمیان ایک ماہ کی مسافت تھی پھر اپنے اصحاب کے ساتھ آپ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھائی۔آپ ﷺ نے 7 ہجری میں نجاسی کے پاس خط لکھ کر اسلام کی دعوت دی اور عمرو بن امیہ المزی کو قاصد بنا کر بھیجا خط پڑھنے کے بعد وہ اسلام لے آیا اور کہنے لگا اگر میں آپکے پاس آنے کی قدرت رکھتا تو حضور خدمت میں حاضر ہوتا،رسول اللہ نے اس کے پاس خط لکھا کہ وہ آپ ﷺ کی شادی ام حبیبہ بنت سفیان سے کرادے چنانچہ اس نے آپ ﷺ کی شادی کرادی اور آپ ﷺ کی جانب سے ام حبیبہ کو چار سو دینار بطور مہر دیا[2]

یہی وہ نجاشی تھا جس کے بارے میں ام سلمہ روایت کرتی ہیں کہ جب ہم حبشہ کی سرزمین پر اترے تو نجاشی کا بہترین پڑوسی نصیب ہوا اور پھر وہ طویل روایت بیان کرتی ہیں جس میں مسلمانوں کا حبشہ ہجرت کرنا اور قریش مکہ کا پیچھا کرتے ہوئے وہاں تک پہنچنا یہاں وہ حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالی عنہ اور نجاشی کے درمیان ہونے والا مکالمہ بیان کرتی ہیں : نجاشی نے جب حضرت جعفر سے کہا مجھے ذرا اس کتاب کا کوئی حصہ سناؤ جو تم لوگوں پر نازل ہوئی ہے چنانچہ حضرت جعفر نے سورۃ مریم کا ایک حصہ پڑھا آیات الہی کو سن کر بادشاہ کے دل پر رقت طاری ہوگئی اس کی آنکھیں نم ہوگئیں اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی پادری جو وہاں موجود تھے انہوں نے بھی رونا شروع کر دیا یہاں تک کے اس کے سامنے کھلے ہوئے مصاحف آنسوؤں سے نم ہوگئے۔پھر بادشاہ بے اختیار پکار اٹھا خدا کی قسم یہ کلام

1- الطبقات الکبری، محمد بن سعد، تح : احسان عباس، دار سادر، بیروت، (د-ت)،(258/1)

2- ھدایۃ الحیاری فی الیھود والنصاری: ص:65

اورانجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پر تو ہیں ساتھ ہی یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ تم دونوں لوٹ جاؤ تمہاری ... میں ... واپس نہیں کروں گا"[1]

اور ساتھ ہی وہ بولا:

"أشهد أنه النبي الأمي الذى ينتظره أهل الكتاب ، وأن بشارة موسى براكب الحمار ، كبشارة عيسى براكب الجمل ، وأن العيان ليس أشفى من الخبر"[2]

اس کے بعد نجاشی اپنے تخت سے نیچے اترا اور تواضع سے زمین پر بیٹھ گیا اور حق کی شہادت دی اور پھر آپ ﷺ کو لکھا:

"بسم الله الرحمن الرحيم ، إلى محمد رسول الله ، من النجاشي أصحمة ، سلام عليك يا نبي الله من الله ، وبركات الله ، الذي لا إله إلا هو ، أما بعد ، فلقد بلغني كتابك فيما ذكرت من أمر عيسى ، فو رب السماء والارض إن عيسى لا يزيد على ما ذكرت تفروقا"[3]

آپ ﷺ کا رسالہ/خط ہرقل قیصر روم کے نام:

روم کا بادشاہ ہرقل ایک بہت بڑا نصرانی عالم تھا اس نے حضور ﷺ کی حقانیت کو پہچان کر دین اسلام میں داخل ہونے کا مکمل ارادہ کر لیا تھا لیکن صلیب پرستوں نے اس کی مخالفت شروع کی جس سے اس کو اپنے بارے میں اندیشہ لاحق ہوا اور بادشاہت کے چھن جانے کا خوف لاحق ہوا۔

صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوسفیان نے خود بیان کیا کہ میری موجودگی ہی میں ہرقل کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط لایا گیا جس کو حضرت دحیۃ بن خلیفۃ الکلبی لے کر آئے تھے۔ہرقل نے کہا اس شخص کی قوم کا کوئی آدمی یہاں موجود ہے اور مجھے سامنے لایا گیا ایک طویل مکالمہ ہرقل اور ابو سفیان کے درمیان ہوا اس مکالمے کے آخر میں ہرقل نے کہا:

1- ھدایۃ الحیاری فی الیھود والنصاری: ص:63

2- تاریخ الرسل والملوک: ص(132/2)

3- الطبقات الکبری لابن سعد: (259/1)

معلوم تھا کہ ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے لیکن میرا یہ خیال نہیں تھا کہ وہ تم لوگوں میں سے ہوگا اور اگر مجھے اس بات کا یقین ہوتا کہ میں اس کے پاس صحیح سالم پہنچ جاؤں گا تو میں ضرور اس سے ملاقات کرتا اور اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے قدم کو دھوتا ان کی بادشاہت میرے اس قدم کی جگہ ضرور پہنچے گی۔[1]

"إن كان ماتقول حقاًفسيملك موضع قدمي هاتين، وقد كنت أعلم أنه خارج، ولم أكن أظن أنه منكم ،فلو أني أعلم أني أخلص إليه لتجشمت لقاءه، ولو كنت عنده لغسلت عن قدمه"[2]

پھر رسول اللہ کا خط منگا کر پڑھنے لگا خط کا مضمون یہ تھا:

"بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد بن عبدالله ورسوله، إلى هرقل عظيم الروم ،سلام على من اتبع الهدى، أما بعد: فإني أدعوك بدعاية الإسلام أسلم تسلم ،يؤتك الله أجرك مرتين ،فإن توليت فإنما عليك إثم الأريسيين ويا أهل الكتاب ،تعالو إلى كلمة سواء بيننا و بينكم ، ألا نعبد إلا الله ،ولا نشرك به شيئاً ولا يتخذ بعضنا بعضاً أرباباً من دون الله ، فان تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون"[3]

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے یہ خط محمد رسول اللہ کی جانب سے ہرقل بادشاہ روم کی جانب لکھا جارہا ہے۔سلامتی ہو ان لوگوں پر جس نے ہدایت کی پیروی کی حمد و ثناء کے بعد میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام قبول کرلو سلامت رہوگے اور خدا تمھیں دہرا اجر دے گا اگر تم نے اعراض کیا تو تمھاری رعایا کا بھی گناہ تمھارے اوپر ہوگا اور قرآن کی آیت لکھی جس کا ترجمہ یوں ہے۔

"اے اہل کتاب اس کلمے کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم صرف خدا کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں بعض بعض کو رب نہ بنائیں خدا کو چھوڑ کر پس اگر وہ اعراض کریں تو ان سے کہو کہ تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں"

1- ھدایۃ الحیاری فی الیھود والنصاری: ص: 79:80

2- صحیح بخاری: ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، مترجم: مولانا ظہور الباری، مکتبہ دار الاشاعت، کراچی، جلد اول، ص: 8

3- ہدایۃ الحیاری ، ص: 80

جب بادشاہ خط کا یہ مضمون پڑھ چکا تو اس کے پاس شور و ہنگامہ مچا اس نے لوگوں کو باہر جانے کا حکم دیا اور حمص میں واقع ایک مکان میں عظماء روم کو جمع ہونے کے لیے کہا جب وہ جمع ہو گئے تو دروازہ بند کرنے کا حکم دیا دروازہ بند کر دیا گیا بادشاہ لوگوں کے سامنے آیا اور کہنے لگا: اے رومیوں کی جماعت کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ صلاح و فلاح میں رہو اور تمھاری مملکت باقی رہ جائے اگر ایسا چاہتے ہو تو اس نبی کی اتباع کر لو یہ سن کر شور و غل مچ گیا اور وہ گائے کی طرح بدک کر بھاگنے لگے ہرقل نے ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا تو دوبارہ انھیں طلب کیا اور کہنے لگا میں تو صرف تمھارے دین کی آزمائش کر رہا تھا ہرقل کی یہ بات سن کر لوگ خوش ہو گئے اور اس کا سجدہ کیا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ہرقل نے نبی کریم ﷺ کو جوابی خط لکھا تھا جو کہ یوں ہے:

"إلى أحمد رسول الله ،الّذي بشّر به عيسىٰ، من قيصر ملك الروم، إنه جاءني كتابك مع رسولك، وإني أشهد انّك رسول الله، نجدک عندنا في الإنجيل، بشّرنا بك عيسىٰ ابن مريم ،وإني دعوت الروم الى أن يومنوٰبك فأبوا، ولو أطاعوني لكان خيراً لهم ، ولوددت أني عندك، فأخدمك، وأغسل قدميك"[1]

آپ ﷺ کا خط مقوقس بادشاہ مصر کے نام:

مصر کے نصرانی بادشاہ مقوقس جریج بن میناء کے پاس آپ کا خط لے کر صحابی رسول حضرت حاطب بن ابی بلتعۃ اللخمی گئے اس خط کا مضمون یہ تھا: "بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد بن عبد الله إلى المقوقس عظيم القبط، سلام على من اتبع الهدى، أما بعد: فأني أدعوك بدعاية الإسلام، أسلم تسلم، أسلم يوتك الله أجرك مرتين، فإن توليت فإن عليك إثم القبط"[2]

ترجمہ: میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے یہ خط محمد بن عبد اللہ کی جانب سے نصرانی بادشاہ مقوقس کے نام: سلامتی ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی اتباع کی حمد و ثناء کے بعد میں تم کو اسلام کی دعوت دیتا ہوں اسلام لے آؤ گے تو محفوظ رہو گے اور اللہ تمھیں دوہرا اجر دے گا اور اگر تم نے منہ پھیر لیا تو مصر کے تمام نصاری کا گناہ تمھارے اوپر ہو گا اس کے بعد قرآن کی آیت لکھی:

1- مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشدة، محمد حميد الله، دار النفائس، بيروت، ط: 5، 1985ء

2- هداية الحيارى: ص: 83

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ﴾[1]

ترجمہ: اہل کتاب اس کلمے کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے وہ یہ ہے کہ ہم صرف حق تعالیٰ کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے بعض کو خدا کو چھوڑ کر رب نہ بنائے پس اگر وہ اعراض کریں تو ان سے کہہ دو کہ تم گواہ رہو کے ہم مسلمان ہیں" پھر خط پر مہر لگادی۔

اس خط کو حضرت حاطب لے کر اس کے پاس سکندریہ آئے اور دربان سے ملے دربان نے ان کو فوراً بادشاہ کے پاس پہنچا دیا حضرت حاطب اور مقوقس کے درمیان کافی طویل مکالمہ ہوا مقوقس تمام باتیں سن کر نہایت متاثر ہوا لیکن کہنے لگا: "میری رعایا آپکی اتباع کرنے میں میری موافقت نہیں کرے گی اور میں چاہتا ہوں کہ ہماری گفتگو کا علم بھی انہیں نہ ہوسکے کیونکہ میں اپنی سلطنت کو چھوڑنا نہیں چاہتا ہوں اور اس کا زیادہ حریص ہوں لیکن ان کے عنقریب اس نبی کے ساتھی اس کے بعد ہمارے ملک پر غلبہ پائیں گے اور میرے اس صحن میں بھی اتریں گے پس تم اپنے نبی کے پاس لوٹ جاؤ"

اس نے نبی کریم ﷺ کا خط لیا اور اسکو ہاتھی دانت کی ڈبیا میں رکھوا کر مہر لگوا کر خزانہ میں رکھوا دیا پھر ایک عربی لکھنے والے کاتب کو بلایا اور یہ مضمون لکھنا شروع کیا:

"بسم الله الحمن الرحيم . أما بعد: لمحمد بن عبدالله من المقوقس عظيم القبط سلام عليک ؛فقد قرأت كتابك، وفهمت ما ذكرت فيه، وما تدعو إليه وقد علمت أن نبياً بقي، وكنت أظن أنه يخرج بالشام، وقد أكرمت رسولك، وبعثت إليك بجاريتين لهما مكان في القبط، وبكسوة، وأهديت إليك بغلة لتركبها. والسلام عليك[2]

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے یہ ہے محمد بن عبداللہ کی خدمت میں مقوقس بادشاہ مصر کی جانب سے۔

آپ پر سلامتی ہو میں نے آپ کا خط پڑھا اور آپ کے مضمون و پیغام کو سمجھا یہ بات معلوم تھی کہ ایک نبی کی آمد ابھی باقی ہے لیکن میرا خیال تھا کہ ان کا ظہور شام میں ہوگا میں نے آپ کے قاصد کی عزت افزائی کی اور آپ کی خدمت

1- سورۃ آل عمران : 64

2- طبقات الکبریٰ لابن سعد، (260/1)

وھدایۃ الحیاری ص: 85

میں بطور ہدیہ دو ایسی لونڈیاں بھیج رہا ہوں جن کا مصر میں بڑا مرتبہ ہے اور کپڑا ایک خچر آپ کی سواری کے لیے ہے آپ پر سلامتی ہے"

دو لونڈیاں جو اس نے بھیجیں تھیں وہ ماریہ قبطیہ اور سیرین تھیں۔ حضرت ماریہ سے آپ ﷺ نے شادی کر لی اور ان سے ابراہیم پیدا ہوئے۔

"والجاريتان هما: ماريه وسيرين :وقد تزوّج النبی ﷺ ماريۃ بعد إسلامه. فولدت له ابراهيم"[1]

آپ ﷺ کا خط حارث بن ابی شمر الغسانی کے نام:

نبی کریم ﷺ نے حارث بن ابی شمر جو حکم دمشق تھا اس کے نام بھی خط لکھا آپ کا خط لے کر صحابی رسول شجاع بن وھب الاسدی ان کے پاس گئے۔

خط کا مضمون یہ تھا: "بسم الله الرحمن الرحيم، من محمد رسول الله إلى الحارث بن أبي شمر، سلام على من اتبع الهدى، وآمن به وصدق، و إني أدعوك إلى أن تؤمن بالله وحده لاشريك له، ويبقى له ملكك"[2]

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان، رحم کرنے والا ہے۔ یہ خط محمد ﷺ کی جانب سے حارث بن ابی شمر کے نام: سلامتی ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی اتباع کی میں تم کو اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم صرف ایک خدا پر ایمان لے آؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، تمھاری بادشاہت باقی رہے گی اتنا لکھ کر آپ نے مہر لگا دی۔ وہ بیان کرتے ہیں۔

شجاع بن وہب اس خط کو لے کر نکلے ایک دن حارث نکلا اور اپنے سر پر تاج رکھ کر بیٹھا اس نے مجھے بلایا میں نے اللہ کے رسول کا خط اسے پیش کیا اس نے خط پڑھا اور کہنے لگا:

مجھ سے میری مملکت کون چھین سکتا ہے میں اس کے پاس جاؤں گا اور اگر وہ یمن میں ہو گا تب بھی اس کو لاؤں گا میرے پاس لوگوں کو بلاؤ اس طرح وہ رات آنے تک بیٹھا رہا اور بکواس کرتا رہا اس نے گھوڑوں کو نعل پہنانے کا حکم صادر فرمایا، پھر مجھ سے کہنے لگا جو چاہو تم اپنے صاحب سے کہہ دینا اس نے قیصر کے پاس بھی میری اطلاع بھیجی تو صد [illegible]

1- الطبقات الکبری لابن سعد (260/1)

2- ھدایۃ الحیاری ص:46

لے جا کر قیصر کو مقام ایلیا میں دیا اس وقت قیصر کے پاس وحیۃ کلبی رضی اللہ تعالی عنہ بھی موجود تھے جنہیں اللہ کے رسول نے قیصر کے پاس خط دے کر بھیجا جب قیصر نے حارث کا خط پڑھا تو اس کا جواب یہ لکھ کر دیا تم اس نبی کے پاس مت جاؤ بلکہ مجھ سے ایلیا میں آکر ملو۔ خط کا یہ جواب میری موجودگی میں آیا پھر اس نے مجھے بلایا اور کہنے لگا تم اپنے نبی کے پاس واپس کب جاؤ گے: میں نے کہا کل چنانچہ اس نے میرے لیے سو مثقال سونہ دینے کا حکم صادر فرمایا اور اس کے دربان "مری" نے مجھے نفقہ اور کپڑا دیا۔

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں: وكان للحارث الغساني خادم رومي نصراني اسمه مري، صاريكرم شجاع بن وهب .ويساله عن صفة رسول اللﷺ. فيرق حتى يغلبه البكاء ويقول :إني قدقرأت في الإنجيل فأجد صفة هذا النبي بعينه. فأنا أؤمن به وأصدقه وأخاف من الحارث أن يقتلني۔ ولما أراد شجاع العودة، أهداه مري نفقة وكسوة وقال له: أقرئ رسول الله مني السلام، وأخبره أني متبع دينه.فلما قدم شجاع على الرسول وأخبره وسلامه .قال الرسول الكريم ﷺ "صدق"[1]

آپ ﷺ کا خط حاکم یمامہ ہوذۃ بن علی الحنفی کے نام:

نبی کریم ﷺ نے یمامہ ہوذۃ بن علی الحنفی کے نام خط لکھا آپکا خط لے کر صحابی رسول سلیط بن عمرو العامری حاکم یمامہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

خط کا مضمون یہ تھا: بسم الله الرحمن الرحيم .من محمد رسول الله .إلى هوذة بن علي .سلام على من اتبع الهدى .واعلم أن ديني سيظهر إلى منتهى الخف والحافر .فأسلم تسلم .أجعل لك ما تحت يدك"[2]

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے یہ خط ہے محمد رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ہوذۃ بن علی کے نام۔ لامتی ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی اتباع کی جان لو کہ میرا دین پوری روئے زمین پر غالب ہو گا لہٰذا تم بھی اسلام لے آؤ محفوظ رہو گے اور تمھارے پاس جو کچھ ہے سکو میں برقرار رکھوں گا۔

1- الطبقات الکبری، (261/1)

2- ھدایۃالحیاری: ص : 46 ترجمہ، ص:90

اس وقت اس کے پاس نصاریٰ کے بادشاہوں میں دمشق کا بادشاہ موجود تھا ھوذۃ نے اس سے نبی کریم کے متعلق پوچھا اور اس نے کہا اس نبی کا پیغام میرے پاس آیا ہے بادشاہ دمشق نے کہا تم اس کی دعوت کیوں نہیں قبول کر لیتے اس نے کہا میں اپنے دین پر ہوں اس لیے اپنی قوم کا بادشاہ ہوں لیکن اگر اس نبی کی اتباع کر لی تو بادشاہت سے ہٹا دیا جاؤں گا اس نے کہا ایسی بات نہیں خدا کی قسم اگر تم نے اتباع کر لی تو وہ ضرور تم کو بادشاہ بنائیں گے ان کی اتباع ہی میں تمھاری بھلائی ہے یقیناً یہی وہ نبی ہیں جن کے بارے میں عیسیٰ ابن مریم نے بشارت دی تھی۔ خدا کی قسم ان کا تذکرہ انجیل میں ہمارے پاس لکھا ہوا ہے۔

لیکن ھوذۃ نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا اور نبی کریم کو خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا:

"ما احسن ما تدعو إليه وأجمله، وأنا شاعر قومي وخطيبهم، والعرب تهاب مكاني فاجعل لی بعض الامر اتبعک"[1]

اور اس نے سلیط بن عمرو کو تحائف اور لباس اور ھدیئے دے کر روانہ کیا۔

آپ ﷺ نے جو اس سے طلب کیا تھا اس کا انکار کر دیا ھوذۃ فتح مکہ کے بعد فوت ہو گیا۔

آپ ﷺ کا خط جبلۃ بن الایھم الغسانی کے نام:

آپ ﷺ نے جبلۃ بن الایھم الغسانی کے نام بھی خط لکھا جسے شجاع بن وھب الاسدی لے کر گئے۔ نبی کریم نے جبلۃ کو اسلام کی دعوت دی اور اس نے قبول کر لی اور رسول اللہ کو ھدیئے بھجوائے۔ وہ حضرت عمر فاروق کے دور خلافت تک اسلام پر قائم رہا بعد میں نصرانی ہو گیا اسکا ذکر حضرت سعد اطبقات الکبری میں کرتے ہیں:

"وكان حامل الرسالة شجاع بن وهب الأسدى، دعا فيها النبيﷺ جبلة إلى الأسلام فأسلم وكتب بإسلامه إلى رسول الله، وأهدى له هدية۔ ولم يزل مسلماً حتى زمن الفاروق رضي الله تعالى عنه فارتد نصرانياً، ولحق بالروم لرفضة القصاص بضربه رجلاً من مزينة"[2]

آپ ﷺ کا خط ضغاطر الاسقف کے نام:

حضرت رحیۃ بن خلیفۃ الکلبی آپ ﷺ کا خط لے کر ضغاطر الاسقف کی خدمت میں گئے۔

1- الکامل فی التاریخ، ابو الحسن علی بن الاثیر الجزری، دار الفکر العربی، بیروت، (د۔ت)، (246/2)

2- الطبقات الکبری لابن سعد: (265/1)

اس خط کا مضمون یہ تھا:

"إلى ضغاطر الأسقف، سلام على من آمن، أما على أثر ذلك: فإن عيسى ابن مريم روح الله، وكلمته، القاها إلى مريم الزكية، وإني أومن بالله، وما انزل إلينا، وما انزل إلى براہیم و إسماعيل وإسحق ويعقوب والاسباط، وما أوتي موسى وعيسى، وما أوتي النبيون من ربهم لانفرق بين أحد منهم، ونحن له مسلمون، والسلام على من اتبع الهدى"[1]

ترجمہ: ضغاطر الاسقف کی طرف سے سلامتی ہو اس پر جو ایمان لایا بے شک عیسی ابن مریم روح اللہ ہیں اور اسکا کلمہ ہیں جو مریم ذکیہ کی طرف القا کیا گیا اور بے شک میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور اسکی اولاد کی طرف نازل کیا گیا اور جو موسیٰ اور عیسیٰ کی طرف اور جو تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف دیا گیا ہم ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے ہم اسی کے لیے مسلم ہیں اور سلامتی ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے"

جب دحیۃ کلبی رضی اللہ تعالی عنہ ھرقل کے پاس پہنچے تو اس نے ضغاطر کی طرف بھیج دیا اور کہا ضغاطر الاسقف کے پاس جاؤ اور اپنے ساتھی کا ذکر کرو اور دیکھو وہ کیا کہتا ہے۔ دحیۃ انکے پاس پہنچے اور انہیں خط دیا تو ضغاطر بولے: تمھارا ساتھی اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہے میں نے اسے اس کے نام اور صفات سے پہچان لیا ہم اپنی کتابوں میں ان کا ذکر پاتے ہیں۔

ثم دخل فألقى ثوبه، ولبس ثيابا بيضاء وخرج على الروم وهم في الكنيسة، فقال: يامعشر الروم قد جاءنا كتاب أحمد، يدعونا إلى الله، واني أشهد أن لا إله إلا الله، وأن محمداً عبده ورسوله۔ فقال وحية: فوثبو إليه فقتلوه"[2]

ضغاطر نے سفید لباس پہنا اور باہر آیا وہ اس وقت کنیسہ میں تھا اس نے کہا! اے رومیو میرے پاس احمد کا خط آیا ہے اس نے مجھے اللہ کی طرف دعوت دی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں وحیۃ کہتے ہیں: کہ یہ سنتے ہی سب لوگ اس کی طرف لپکے اور اسے قتل کر دیا۔

1- تاریخ الرسل والملوک، (130/2)

2- الکامل فی التاریخ، (144/2)

والاصابۃ، (208/2)

الباب الثالث

نصاری، یہود، مشرکین، اور منافقین سے مکالمے کا قرآنی اسلوب

عیسائیت کی تعریف

عیسائیت علماء کی مستند کتابوں میں عیسائیت کی تعریف و وضاحت ان الفاظ میں کی گئی ہے۔
American People's Encyclopedia میں عیسائیت کی تعریف یوں ملتی ہے
"Christianity: The religion founded by Jesus of Nazareth in the first century A.D. and centering in his life, mission and message" (1)

عیسائیت وہ مذہب ہے جس کی بنیاد پہلی صدی میں مسیح ناصری نے رکھی، اور جس کا محور ان کی زندگی، مقصد حیات اور پیغام ہے۔
انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا میں عیسائیت کی تعریف یہ کی گئی ہے :۔ "وہ مذہب جو اپنی اصلیت کو ناصرہ کے باشندے یسوع کی طرف منسوب کرتا ہے اور اسے خدا کا منتخب (مسیح) مانتا ہے"(2)

الفریڈ ،ای ، گاروے اسی تعریف کی مزید تفصیل کے ساتھ Encyclopedia of Religion and Ethics) کے مقالے میں لکھتا ہے: " عیسائیت کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے کہ یہ اخلاقی ، تاریخی ، کائناتی محلدانہ اور کفارے پر ایمان رکھنے والا مذہب ہے جس میں خدا اور انسان کے تعلق کو خداوند یسوع مسیح کی شخصیت اور کردار کے ذریعے پختہ کر دیا گیا ہے ۔" (3)

---

(1) The American People's Encyclopedia, Chicago, 1960 , Vol; 5, pg; 435
(2) Encyclopedia Britannica, 1950, Vol. 5 page. 693.
(3) "Christianity " Encyclopedia of Religion and Ethics Vol: 3 ,pg: 581

مذہب عیسائیت کیلئے لفظ (مسیحی) استعمال کیا جاتا ہے (المسیحی) کے لغوی معنی لسان العرب اور القاموس المحیط میں یوں بیان کیے گئے ہیں ۔

المسیحیی: لنسبة الدیان المسیحیة"

"والمسیح لغة اسم مشتق من المسح"وهو: امرار الید علی الشیء السائل مثل: مسح الراس من الماء ، او الجبین من العرق "[1]

"والمسیح لقب لسیدنا عیسیٰ ابن مریم علیه السلام و لیس اسمًا له و معناه الصدیق"[2]

"و یرجع لقب المسیح إلی أحد الطقوس الدینیة فی الشریعیة الیهودیة" وهو مسح بنوع معین من الدهن'بقصد التقدیس والتکریس' والاختیار لوظیفة عظیمةأو رسالة سامیة"[3]

والمسیحیة کلمة أطلقت علی أتباع المسیح علیه لسلام ۔ فی القرن الثالث المیلادی فی مجمع نیقیة سنة(325)م [4]

" وقد وردت کلمة المسیح فی القرآن الکریم فی أحد عشر موضعاً"[5]

"فالمسیحیة علم یطلق علی کل الذین یدینون بدیانة المسیح علیه السلام ۔ قبل وبعد الإسلام . وهذه التسمیة هی التی یطلقها المسیحیون علی أنفسهم دائماً ویحبون أن یتسموا بها ۔ حیث یقصدون بها أنهم عُبّادُ المسیح وأتباعه. ویرفضون التسمي بغیرها"[6]

1۔ لسان العرب، جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور، دار احیاء التراث العربی، بیروت، ط: ۱، ۱۹۸۸ء ۹۸/۱۳

۔۔ والقاموس المحیط، الفیروزآبادی، المطبعة الحسینیة المصریة، القاهرة، ط: ۲ (۱۳۴۴ھ) ۲۴۹/۱

2۔ صحیح البخاری، محمد بن اسماعیل بخاری، دار المعرفة، بیروت (د۔ت) ۲۵۳/۲۔

3۔ المسیح فی مفهوم معاصر، عصام الدین حفیفی ناصف، دار الطلیعة بیروت، ط: ۱، ۱۹۷۹، ص: ۲۲

4۔ ینابیع المسیحیة، خواجه کمال الدین، تعریب: إسماعیل حلیمی البارودی مشورات لجنة المحققین، لندن، ۱۹۹۰، ص: [illegible]

5۔ المعجم المفهرس الالفاظ القرآن الکریم، محمد فواد عبد الباقی، مؤسسة جمال للنشر، بیروت (د۔ت) ص: ۶۶۶

6۔ (موسوعة السیاسیة، إسما عبد الوهاب الکیالی، الموسسة العربیة للدراسات والنشر، بیروت، ط: [illegible]

اہل کتاب

دین اسلام میں یہود و نصاری کیلئے ایک مشہور اصطلاح اہل کتاب استعمال ہوتی ہے۔ یعنی وہ مذاہب جو خدائی کتب کے حامل ہیں۔ لیکن فقہاء کے نزدیک اہل کتاب کے متعلق دو رائے پائی جاتی ہیں:

عند الفقهاء في تعريفهم رايان: الأول: " رأى فقهاء الحنفية: وعندهم الكتابي هو كل من اعتقد ديناً سماوياً، وله كتاب منزل كالتوراة والانجيل و صحف ابراهيم وشيث و زبور داؤد. فلا يقتصر أهل الكتاب على اليهود و النصارى فقط، بل يشمل غيرهم من أصحاب الكتب السماوية المنزلة"[2]

الثاني: رأى فقهاء الشافعية الحنابلة: أهل الكتاب اليهود والنصارى دون غيرهم فليس أصحاب صحف ابراهيم وشيث، وزبور داؤد عليهم السلام۔ أهل كتاب واستدلوا بالآية الكريمة:

﴿أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أُنْزِلَ الْكِتَابُ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَافِلِينَ ﴿١٥٦﴾﴾[3]

والآية تدل على أن الطائفتين هما: اليهود والنصارى دون غيرهم[4]

1۔ الکامل فی التاریخ، ابوالحسن علی بن الاثیر الجزری، دارالفکر العربی بیروت، (د۔ت)، (31/1)

2۔ الدر المختار علی تنویر الابصار، محمد بن علی الحصکفی، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (د۔ت) (۲۶۸/۳)

۔۔۔ الفتاوی الهندية (الالعالمكيرة)، الشيخ نظام وجماعة من العلماء الهند، المكتبة الاسلامية، ديار بكر، تركيه ط۔۱۹۷۳،۳: ۲۸۱/۱

3۔ القرآن الکریم، سورۃ الانعام: ۱۵۶

4۔ الجامع الاحکام القرآن، محمد بن احمد القرطبی، تح: ابراہیم اطفیش، دار الکتاب العربی، بیروت، ط: ۲، ۱۹۵۲، ۱۴۳/۷

۔۔ والمغنی لابن قدامہ، عبداللہ بن قدامۃ المقدسی، مطبوعات دراسۃ ادارۃ البحوث العلمیۃ، کتبۃ الریاض الحدیثۃ، الریاض السعودیۃ، ۱۹۸۱ (۵۹۰/۶)

اہل کتاب کے بارے میں دو رائے ہیں۔ احناف کے نزدیک ہر وہ کتابی ہے جو آسمانی دین پر ایمان رکھتا ہو مثلاً توراۃ زبور '' انجیل، صحف ابراہیم وغیرہ وہ اہل کتاب کو صرف یہود و نصاری تک محدود نہیں کرتے۔ لیکن شافعی اور حنابلہ کے نزدیک اہل کتاب صرف یہود و نصاری ہیں وہ دوسرے گروہوں کو اہل کتاب میں شامل نہیں کرتے اور اس کی دلیل قرآن کی سورۃ انعام کی آیت ۱۵۶ کا حوالہ دیتے ہیں۔

عیسائیت کے عقائد و نظریات

عیسائی مذہب میں خدا کا تصور :

جہاں تک خدا کے وجود کا تعلق ہے عیسائی مذہب اس معاملے میں دوسرے مذاہب سے مختلف نہیں ہے وہ بھی خدا کو تقریباً اپنی صفات کے ساتھ تسلیم کرتے ہیں جو دوسرے مذاہب میں اس کے لیے بیان کی جاتی ہیں۔

مارس ریلیٹن لکھتا ہے: "عیسائیت کا خدا کے بارے میں یہ تصور ہے کہ وہ ایک ابدی جا وید وجود ہی جو تمام امکانی صفات کمال کے ساتھ متصف ہے اسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے لیکن پوری طرح سمجھا نہیں جا سکتا ۔ اس لیے اس کی حقیقت کا ٹھیک ٹھیک تجزیہ ہمارے ذہن کی قوت سے ماورا ہے وہ فی نفسہ کیا ہے ؟ ہمیں معلوم نہیں صرف اتنی باتیں ہمیں معلوم ہو سکی ہیں جو خود اس نے بنی نوع انسان کو وحی کے ذریعے بتلائیں"(1)

تقابل ادیان کے عیسائی عالم ہسٹن سمتھ اور مسیحی فاضل کیلی (Kelly) بیان کرتے ہیں

"I believe in God, The father Almighty, Maker of heaven and earth, and in Jesus Christ our lord, who was conceived by the holy Ghost, born of virgin Mary, suffered under Pontius pilate, was crucified died and was buried"

"میں خدا پر ایمان رکھتا ہوں ، جو باپ اور قادر مطلق ہے اور آسمان و زمین کا بنانے والا ہے اور میں اپنے آقا یسوع مسیح پر ایمان رکھتا ہوں ، جو روح القدس کی قدرت سے کنواری مریم کے ہاں پیدا ہوئے (رومی حاکم) پنطیس پیلاطس کے ہاتھوں تکلیف اٹھائی پھانسی دیئے گئے اور اور فوت ہو کر دفن ہوئے ۔"(2)

1- ("Christianity" Article, (2) Encyclopedia of religion and Ethics, Vol:3, Page:581)

2- (The Religion of man, Huston smith, New York, 1965, pg.327;

(N-D Kelly, Early Christian creeds, London, 1972, pg.389)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ جہاں(Huston Smith) کی کتاب میں حضرت عیسیٰ کو صرف آقا(Lord) کہا گیا ہے وہاں جرمن محققین مؤلف اور کلیسا کی کلیساویسٹ منسٹر کی مصدقہ کتاب(Credo)میں اس کے ساتھ خدا کے اکلوتے بیٹے کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

"His only son" (1) کے الفاظ موجود ہیں ۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں مزید توضیح یوں کی گئی ہے:

The third day he rose again from the dead. He ascended into heaven, sitteth at the right hand of God the Almighty Father, from thence he shall come to judge the living and the dead.

"تیسرے دن وہ مردوں سے جی کر اٹھے اور آسمان پر چڑھ گئے ۔ وہ خدا قادر مطلق باپ ہے کی دائیں جانب تشریف فرما ہیں اور وہاں سے زندوں اور مردوں میں عدالت قائم کرنے دوبارہ تشریف لائیں گے"(2)

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں ہے :

We believe in one God, The Almighty Father, Creator of all things visible and invisible. And in one Lord Jesus Christ, the only son of God, Who alone was begotten of the father(that is the substance of the father), God of God , Light of light (Very God of very God , begotten, not made of one substance with the father. Through whom all was made that is in the heaven and on earth, who for us men and for our solution come down and become flesh, became man suffered and rose on the third day is ascended to heaven and will come to judge the living and dead. And in the holy spirit------ Who is God and giver of life and is worshipped and honoured with the father and the son.(3)

---

1 - Credo a catholic catechism, By German Cathecetical Association, 1984, pg: 61)

2 - ibid, Pg: 95

3 - (Encyclopedia Britannica, (192), Vol:6 pg:657)

"ہم ایک خدا پر یقین رکھتے ہیں جو مقتدر باپ اور تمام مرئی اور غیر مرئی اشیاء کا خالق ہے ہم خداوند یسوع مسیح پر ایمان رکھتے ہیں جو خدا کا بیٹا تھا۔ صرف وہی تھا جو بغیر باپ سے پیدا ہوا یعنی باپ ہی کے جوہر سے بنا خدا میں کا خدا، نور میں کا نور (اصل خدا ہی میں کا اصل خدا، خدا نے بنایا نہیں بلکہ خدا سے پیدا ہوئے اور اسی جوہر سے جو خدا کا ہے) جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے اسی کے ذریعے بنا۔ وہ ہم بنی آدم کی خاطر اور ہماری نجات کیلئے نیچے (زمین پر آیا) اور گوشت پوست کا انسان بنا تکلیف اٹھائی تیسرے دن جی اٹھا اور آسمان پر چڑھ گیا۔ وہ زندوں اور مردوں میں عدالت قائم کرنے آئے گا۔ اور ہم روح القدس پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو خداوند ہے اور زندگی بخشنے والا ہے، اس کی باپ اور بیٹے کے ساتھ پرستش اور تعظیم ہوتی ہے"[1]

عقیدہ تثلیث:

عیسائی مذہب میں خدا تین اقانیم سے مرکب ہے۔ باپ، بیٹا اور روح القدس۔ یہ عقیدہ تثلیث (Trinitarian Doctrine) کہلاتا ہے ۔ اس عقیدہ کی تشریح میں عیسائی مفکرین اختلاف رکھتے ہیں۔ کچھ کہتے ہیں کہ باپ ، بیٹا اور کنواری مریم تین اقنوم ہیں ۔ ان کا مجموعہ خدا ہے ۔ اس کے برعکس عام عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ باپ ، بیٹے اور روح القدس کے مجموعہ کا نام خدا ہے۔[1]

ہیسٹنگز (Hastings) کی مشہور و مقبول " لغات بائبل" میں تثلیث کی مختصر تشریح یوں کی گئی ہے:

"Trinity: The Christian doctrine of God as existing in three persons and one substance"

"تثلیث ۔ خدا کے بارے عیسائیوں کا نظریہ ہے کہ وہ تین اقانیم مگر واحد جوہر کی حیثیت میں وجود رکھتا ہے۔"[2]

فلسفہ اور تقابل ادیان کا علامہ ہسٹن سمتھ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہے

"It holds that while God is fully one, He is also three ....from the stand-point of Christian orthodoxy, IT is

---

1- Encyclopedia Britannica, "Trinity", 1950, Vol:22 Pg:479

2- Dictionary of the Bible, James Hastings, Edinburgh, 1963, Pg:1015.

important not to water down the trinity by Interpreting it as referring to three roles of a single person, as a men may simultaneously be a son, a husband, and a father. As the Athanasian Creed put the mother, we worship one God in Trinity in unity, neither confounding the persons nor dividing the substance."

"یہ (عقیدہ) اس دعوی کا اظہار ہے کہ خدا مکمل طور پر بھی واحد ہے اور تین بھی۔۔۔۔۔ عیسائی راسخ العقیدگی نقطہ نظر سے یہ بات ضروری ہے کہ نظریہ تثلیث کو اس طرح کی تعبیر سے نرم نہ کیا جائے ۔ اس سے مراد ایک واحد ہستی یا اقنوم ہے ۔ جس طرح بیک وقت کوئی باپ بیک وقت بیٹا و خداوند اور او باپ ہو سکتا ہے جیسے کہ اتھناسیس کے عقیدے میں بیان کیا گیا ہے:" ہم خدا کی عبادت توحید فی التثلیث اور تثلیث فی التوحید کے عقیدے سے کرتے ہیں ۔ نہ تو ہم مختلف اقانیم آپس مخیں ملاتے ہیں اور(ان کے) جوہر کو تقسیم کرتے ہیں۔"[1]

غرض اس قسم کے بے شماراختلافات ہیں جن کی وجہ سے تثلیث کا عقیدہ ایک "خواب پریشان" بن کر رہ گیا ہے۔ "تثلیث کے عیسائی نظریہ کو ان الفاظ میں اچھی طرح تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ باپ خدا ہے بیٹا بھی خد ا ہے اور روح القدس خدا ہے لیکن یہ تین خدا نہیں ہیں ۔ بلکہ ایک ہی خدا ہیں۔ اس لئے کہ عیسائی نظریہ کے مطابق ہم جس طرح ان تینوں میں سے ہر ایک اقنوم کو خدا اور آقا سمجھنے پر مجبور ہیں اسی طرح ہمیں کیتھولک مذہب نے اس بات کی بھی ممانعت کر دی ہے کہ ہم ان کو تین خدا اور آقا سمجھنے لگیں۔

اسی بات کو قدرے تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہوئے تیسری صدی عیسوی کے مشہور عیسائی عالم سینٹ آگسٹائن(St. Augustine) اپنی مشہور کتاب (on the Trinity) میں لکھتے ہیں: "عہد قدیم اور عہد جدید کے وہ تمام کیتھولک علماء جنہیں پڑھنے کا مجھے اتفاق ہوا اور جنہوں نے مجھ سے پہلے تثلیث کے موضوع پر لکھا وہ سب مقدس صحیفوں کی روشنی میں اس نظریے کی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ باپ ، بیٹا اور ورح القدس مل کر ایک (خدائی وحدت)

1- The religions of man, Huston smith, New York, 1965; Pg:33

تیار کرتے ہیں جو اپنی ماہیت اور حقیقت کے اعتبار سے ایک اور ناقابلِ تقسیم ہے۔ اسی وجہ سے وہ تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ہے ۔ اگرچہ باپ نے بیٹے کو پیدا کیا ۔ مگر جو باپ ہے وہ بیٹا نہیں ہے ، اسی طرح سے بیٹا باپ سے پیدا ہوا ہے اسی لیے جو بیٹا ہے وہ باپ نہیں ہے ۔ اور روح القدس بھی نہ باپ ہے نہ بیٹا ۔ بلکہ باپ اور بیٹے کی روح ہے جو دونوں کے ساتھ مساوی اور تثلیثی وحدت میں ان کی حصے دار ہے۔" (1)

متی کی انجیل میں یہ الفاظ ہیں: "لیکن یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ تثلیثی وحدت ہی کنواری مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئی اپنے پنتیس پیلاطس نے پھانسی دی ۔اسے دفن کیا گیا اور پھر یہ تیسرے دن زندہ ہو کر جنت چلی گئی ۔ کیونکہ یہ واقعات تثلیثی وحدت کے ساتھ نہیں صرف بیٹے کے ساتھ پیش آئے تھے ۔ اسی طرح یہ بھی نہ سمجھنا چاہیے کہ یہی تثلیثی وحدت یسوع مسیح پر کبوتر کی شکل میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب اسے بپتسمہ دیا جا رہا تھا (2)۔

بلکہ یہ واقعہ تو صرف روح القدس کا تھا ۔ علی ہذاالقیاس یہ سمجھنا بھی درست نہیں کہ جب یسوع مسیح کو بپتسمہ دیا جا رہا تھا یا جب وہ اپنے تین شاگردوں کے ساتھ پہاڑ پر کھڑا تھا اس وقت تثلیثی وحدت نے اس سے پکار کر کہا تھا کہ" تو میرا بیٹا ہے " (3)

بلکہ یہ الفاظ صرف باپ کے تھے جو بیٹے کے لیے بولے گئے تھے اگرچہ مسیح، باپ، بیٹا اور روح القدس ناقابلِ تقسیم ہیں اسی طرح ناقابلِ تقسیم طریقے پر وہ کام بھی کرتے ہیں یہی میرا عقیدہ ہے اسلیئے یہ کیتھولک عقیدہ ہے (4)

باپ:

---

1 ۔عیسائیت کیا ہے ، محمد تقی عثمانی ، مکتبہ دار الاشاعت ، کراچی، ص: ۱۴۔

2 ۔انجیل مقدس متی کی انجیل، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۱۹۸۵، ب: ۳۔آیت: ۱۶، ص: ۴

3 ۔انجیل مقدس، متی کی انجیل، باب ۱۷، آیت ۵

4 -Basic Writings of St. Augustine, Translated by A.W.Haddan and edited by Whitney J. Oats, New York (1948)V:2, Pg.672)

عیسائیوں کے نزدیک باپ سے مراد خدا کی تنہا ذات ہے جس میں سے کی صفت کلام اور صفت حیات سے قطع نظر کر لی گئی۔ یہ ہے ذات بیٹے کے وجود کیلئے اصل (Principle) کا درجہ رکھتی ہے۔ مشہور عیسائی فلاسفر سینٹ تھامس ایکویناس کی تشریح کے مطابق "باپ" کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے کسی کو جنا ہے۔ کوئی ایسا وقت گزرا ہے جس میں باپ تھا اور بیٹا نہیں تھا۔ بلکہ یہ ایک خدائی اصطلاح ہے جس کا مقصد صرف یہ ہے کہ باپ بیٹے کیلئے اصل ہے جس طرح ذات صفت کیلئے اصل ہوتی ہے۔ ورنہ جب سے باپ موجود ہے اسی وقت سے بیٹا بھی موجود ہے۔ اور ان میں سے کسی کو کسی پر کوئی زمانی اولیت حاصل نہیں ہے[1]

خدا کی ذات کو باپ کیوں کہا جاتا ہے؟ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے لفریڈ ای گاروے نے لکھا ہے کہ:اس سے کئی حقائق کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔ ایک تو اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود میں خدا کی محتاج ہیں جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہوتا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ظاہر کرنا ہے کہ خدا اپنے بندوں پر اس طرح شفیق اور مہربان ہے جس طرح باپ اپنے بیٹے پر مہربان ہوتا ہے [2]

بیٹا:

بیٹے سے مر اد عیسائیوں کے نزدیک خدا کی صفت کلام (Word of God) ہے۔ لیکن یہ انسانوں کی صفت کلام کی طرح نہیں ہے۔ انسانوں کی صفت کلام اور خدا کی صفت کلام کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئی سینٹ تھامس لکھتے ہیں " انسانی فطرت میں صفت کلام کوئی جوہری وجود نہیں رکھتی اسی وجہ سے اس کو انسان کا بیٹا یا مولود نہیں کہہ سکتے۔ لیکن خدا کی صفت کلام ایک جوہرہے جو خدا کی ماہیت میں اپنا ایک وجود رکھتا ہے۔ اسی لیے اس کو حقیقتاً ، نہ مجازاً بیٹا کہا جا سکتا ہے اور اس کی اصل کا نام باپ ہے "۔

1- Basic Writing of St. Thomas Aquinas edited by A.C.Pegis s pp:324-26, Vol:1 New York, 1945

2- Encyclopedia of Religion and Ethics, pg :585

"عیسائی عقیدے کے مطابق خدا کو جس قدر معلومات حاصل ہوتی ہیں وہ اسی صفت کے ذریعے ہوتی ہیں ۔ اور اسی صفت کے ذریعہ تمام اشیاء پیدا ہوئی ہیں یہ صفت باپ کی طرح قدیم اور جاودانی ہیں۔[1]

خدا کی یہی صفت "یسوع مسیح بن مریم" کی انسانی شخصیت میں حلول کر گئی تھی۔ جس کی وجہ سے " یسوع مسیح" کو خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے ۔

روح القدس:

روح القدس (Holy Spirit) سے مراد باپ اور بیٹے کی صفت حیات اور صفت محبت ہے ۔ یعنی اس صفت کے ذریعے خدا کی ذات (باپ)اپنی صفت علم(بیٹے) سے محبت کرتی ہے۔ اور بیٹا باپ سے محبت کرتا ہے۔ یہ صفت بھی صفت کلام کی طرح ایک جوہری وجود رکھتی ہے ۔ اور باپ بیٹے کی طرح قدیم اور جاودانی ہے اسی وجہ سے اسے ایک مستقل اقنوم کی حیثیت حاصل ہے۔[2] عیسائیوں کا عقیدہ یہ ھی کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو جب بپتسمہ دیا جا رہا تھا تو یہی صفت ایک کبوتر کے جسم میں حلول کر کے حضرت مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی اور اس کی بعد حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا ۔ تثلیث کے عقیدہ کا خلاصہ یہ ہی کہ خدا تین اقانیم پر مشتمل ہے ۔ خدا کی ذات جسے باپ کہتے ہیں خدا کی صفت کلام جسے بیٹا کہا جاتا ہے اورخدا کی صفت حیات جسے روح القدس کہا جاتا ہے ان تین میں ہر ایک خدا اور تین مل کر تین خدا نہیں بلکہ ایک ہی خدا ہے یعنی تین ایک اور ایک تین ہیں ۔

عقیدہ حلول و تجسیم (Incarnation):

Incarnation: The word is non-Biblical Theological term to state the Christian conviction that is Jesus Christ; God has visited and redeemed His people. [3]

---

1 -- The city of God. Augustine, Book XI, Ch.: XXIV)

2- The City of God. Vol:2. Pg:168

3- Dictionary of bible Hastings ,Pg:414

تجسیم : "یہ لفظ ایک غیر انجیلی دینی اصطلاح ہے جو اس عیسائی عقیدہ کو بیان کرتی ہے کہ خدا (دنیامیں) حضرت عیسی کی صورت میں لوگوں کو نجات دلانے کے لیے آیا۔

عقیدہ تجسیم کی مزید وضاحت ہسٹن سمتھ کی اس عبارت سے ہوتی ہے ۔ ہم (عیسائی عقائد کا بیان) نظریہ تجسیم سے شروع کر سکتے ہیں ۔ چونکہ نظریہ یہ ہے کہ حضرت عیسی میں خدا نے انسانی جسم اختیار کیا ۔ اسی لیے یہ عقیدہ یہ بھی بیان کرتا ہے حضرت عیسیٰ " خدا ،انسان تھا ۔ یعنی بیک وقت پوری طرح خدا اور پوری طرح انسان ۔ یسوع مسیح بیک وقت خدائی اور انسانیت میں مکمل تھا ، صحیح معنوں میں خدا اور صحیح معنوں میں انسان ۔خدا ہونے میں باپ والے جوہر سے اور انسان ہونے میں ہمارے والی جوہر سے ہر لحاظ سے ہماری طرح،سوائے گناہ کے[1]

حلول اور تجسم کا عقیدہ سب سے پہلے انجیل یوحنا میں ملتا ہے۔اس انجیل کا مصنف حضرت مسیح کی سوانح کی ابتدا ان الفاظ سے کرتا ہے ۔ " ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا او رکلام خدا تھا " یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔[2]

آگے چل کر وہ لکھتا ہے : "اور کلام مجسم ہوا ، اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسے باپ کے اکلوتے کا جلال[3]

کیتھولک عقیدے کا کہنا یہ ہے کہ وہ ذات جو خدا تھی خدا کی صفات کو چھوڑے بغیر ، انسان بن گئی ، یعنی اس نے ہمارے جیسے وجود کی کیفیات اختیار کر لیں ۔ جو زمان و مکان کی قیود میں مقید ہے اور ایک عرصے تک ہمارے درمیان مقیم رہی ۔الفریڈ ایگاروے اسی بات کو ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے "وہ (حضرت مسیح) حقیقتاً خدا بھی تھے اور انسان بھی، ان کی ان دونوں حیثیتوں میں سے کسی ایک کے ا نکار یا ان کے وجود میں دونوں کے متحد ہونے

1- Huston Smith. P: 325

2 ۔ انجیل مقدس، '' یوحنا کی انجیل '' باب :۱، آیت : ۱۔۲، ص۔۱۵۷۔

3 ۔ انجیل مقدس، '' یوحنا کی انجیل '' باب :۱، آیت : ۱۴

کے انکار ہی سے مختلف بدعتی نظریات پیدا ہوئے ۔ اتھانے شیش نے آریوس کے مقابے میں اس نظریے کی پرزور حمایت کی تھی لہٰذا منظور شدہ فارمولہ یہ ہے کہ حضرت مسیحؑ کی ایک شخصیت میں دو ماہیتیں جمع ہو گئی تھیں[1]۔

اور اسی حیثیت سے ان میں تمام انسانی کیفیات پائی جاتی تھیں لیکن خدا کی حیثیت سے وہ "باپ" کے ہم رتبہ تھے۔ اسی لیے انہوں نے یہ کہا تھا: "باپ مجھ سے بڑا ہے"[2]

اور اسی حیثیت سے ان میں تمام انسانی کیفیات پائی جاتی ہیں لیکن خدائی حیثیت سے وہ "باپ" کے ہم رتبہ ہیں ۔ اسی لیے انجیل یوحنا میں آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ "میں اور باپ ایک ہیں"۔[3]

رومن کیتھولک چرچ عقیدہ حلول کو انسانی سمجھ سے قریب کرنے کیلئے چند مثالیں پیش کرتا ہے ۔ کوئی کہتا تھا کہ یہ خدا اور انسان کا یہ اتحاد ایسا تھا جیسے انگوٹھی میں کوئی تحریر نقش کر دی جاتی ہے ۔کوئی کہتا ہے اس کی مثال ایسے ہے آئینے میں انسان کی شکل عکس ہو جاتی ہے ۔ تو جس طرح انگوٹھی اور تحریر کے نقش ہونے سے ایک ہی وجود میں دو قسم کی چیزیں پائی جاتی ہیں ۔ اور جس طرح آئینے میں اسی شکل کے عکس ہونے سے ایک ہی وجود میں دو حقیقیں پائی جاتی ہیں ۔ آئینہ اور عکس، اسی طرح اقنوم ابن حضرت مسیحؑ کے انسانی وجود میں حلول کر گیا تھا ۔ اور اس کی وجہ سے ان کی شخصیت میں بھی بیک دو حقیقتیں پائی جاتی تھیں ۔ ایک خدا کی اور ایک انسان کی۔

---

1 - Encyclopedia of Religions and Ethics, Christianity, Vol:3, Pg:586)

2 ۔ انجیل مقدس، '' یوحنا کی انجیل : باب : ۱۴، آیت : ۲۸۔

3 ۔ انجیل مقدس، یوحنا کی انجیل ، باب: ۱۰، آیت : ۳۵۔

عیسائیت کی تاریخ

عیسائیت کی جو شکل آج دنیا میں معروف ہے اس کی ابتدا کیسے ہوئی ؟ اس کا جواب بڑی حد تک تاریکی میں ہے تاہم جو معلومات موجود ہیں ان کی روشنی میں کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے عروج آسمانی کے بعد آپ کے حواری مخالفتوں کے طوفان کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمہ تن دین عیسوی کی تبلیغ میں مصروف رہے اور پے درپے آنے والی رکاوٹوں کے باوجود انہیں خاصی کامیابی حاصل ہو رہی تھی۔ لیکن اسی دوران ایک واقعہ پیش آیا جس نے حالات کا رخ بالکل موڑ دیا ۔ واقعہ یہ تھا کہ ایک مشہور یہودی عالم ساؤل جو ابھی تک دین عیسوی کے پیروؤں پر شدید ظلم وستم ڈھاتا آیا تھا اچانک اس دین پر ایمان لے آیا اور اس نے دعویٰ کیا کہ دمشق کے راستے میں مجھ پر ایک نور چمکا اور آسمان سے حضرت مسیح کی آواز سنائی دی کہ " تم مجھے کیوں ستاتا ہے؟" اس واقعے سے متاثر ہو کر میرا دل دین عیسوی پر مطمئن ہو چکا ہے ۔ ساؤل نے جب حواریوں کے درمیان پہنچ کر اپنے اس انقلاب کا اعلان کیا تو اکثر حواری اس کی تصدیق کرنے کیلئے تیار نہ تھے لیکن سب سے پہلے برناباس حواری نے اس کی تصدیق کی اور ان کی تصدیق سے مطمئن ہو کر تمام حواریوں نے اپنی برادری میں شامل کر لیا ساؤل نے اپنا نام بدل کر پولوس رکھا ۔اور حواریوں کے دوش بدوش دین عیسوس کی تبلیغ میں مشغول ہو گیا اس کا اثر رسوخ دین عیسوی میں بڑھتا گیا اور اس نے دین عیسوی میں نئے عقائد متعارف کروائے اور نئے طور پر دین عیسوی کو متعارف کروایا۔[1]

جسے تاریخ عیسائیت پولس (St. Paul) کے نام سے یاد کرتی ہے مذاہب عام کے مؤرخین فلائیڈر اس (Floyd Ross) اور مسز ہلز (Mrs. Tynette Hills) لکھتے ہیں ۔

"Of all the people associated with the beginning of Christianity, Paul was the most responsible for the turn its beliefs took. He added a new note that determines its future course"[2]

1۔ عیسائیت کیا ہے۔ ص: ۶۸

2۔ Floyd H. Ross and Tynette Hills : Great religions by which men live, New York, 1966, pg:137

(ان سب لوگوں میں جن سے عیسائیت کی ابتدا وابستہ ہے پولس اس تبدیلی کیلئے سب سے زیادہ ذمہ دار تھا ۔ جو اس کے عقائد میں آئی اس نے (ان عقائد میں) ایک نئی طرح ڈالی جس نے اس کے (عیسائیت) کے مستقبل کی راہیں متعین کیں۔)

پولس نے جو نئی اپج نکالی اس کی بنیاد نہ تو حضرت عیسیٰ کی تعلیم پر تھی اور نہ ان کے حواریوں کے نظریات پر ۔ پروفیسر آرنلڈ میئر((Arnold Meyer کہتے ہیں:

As one asks: Whence did St. Paul derive his teaching? The simplest answer would seen to be: by tradition for Jesus through the instrumentality of the original apostles but the answer given by St. Paul himself is quite different: I received my gospel not from men. But by a revelation, of Jesus Christ. This means that all dependents upon any human tradition, even that of the primitive apostles, is denied. [1]

(اگر کوئی سوال کرے کہ پولس نے جو تعلیم دی اسے اس نے کہاں سے اخذ کیا؟ تو اس کا سیدھا سادہ جواب تو یہ ہونا چاہیے تھا: ان روایات سے جو اسے اصل حواریوں کے ذریعے سے پہنچی تھیں مگر جو جواب خود پولس نے دیا ہے وہ بالکل مختلف ہے (وہ کہتا ہے) میں نے اپنی انجیل انسانوں سے نہیں بلکہ یسوع مسیح کے مکاشفہ سے حاصل کی ہے ۔ اس کا مطلب حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کے ابتدائی حواریوں کی روایات سمیت تمام انسانی روایات کا کلی انکار ہے)۔

"یہ پولس کون تھا جس نے عیسائیت کے نام پر حضرت عیسیٰ کے دین سے مختلف ایک دین کی بنیاد رکھی؟ اگر چہ اس کی زندگی اور کام کے بارے میں ملنے والی بہت سی تفصیلات غیر یقینی ہیں۔ [2]

---

1 – Arnold Meyer. "Jesus or Paul " English translation by: J. Wilkinton, London & NewYork, 1909, pg. 40

2 – W-M. Ramsay: Saint Paul the traveller, London, 1907,pg:30

پولس کا اصل عبرانی نام ساؤل یا شاؤل تھا جس کے معنی " خدا سے مانگا ہوا " ہیں[1]
پولس نے حضرت عیسیٰ سے کبھی ملاقات نہیں کی اگرچہ تصلیب کے وقت وہ یروشلم میں موجود تھا ۔ پولس نے حضرت عیسیٰ کے پیروؤں ان معتقدوں کی تکذیب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اسے عیسائیت کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے دمشق کا سفر کیا راستے میں حضرت عیسیٰ نے اس پر ظہور فرمایا ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیوں کا یہ قاتل ان کا محافظ بن گیا پولس نے عیسائیوں کے قتل میں جتنا بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس سے کہیں زیادہ اس نے عیسائیت کے پرچار میں جوش و خروش کا اظہارکیا ۔ اس نے دعویٰ کیا کہ اسے تعلیم براہ راست حضرت عیسیٰ سے حاصل کی ہے اور لوگوں کو تعلیم دینے کا حکم بھی انہوں نے ہی اسے دیا ہے ۔ پولس نے تبلیغ کی خاطر بہت دورے کیے اور لوگوں کو عیسوی تعلیمات سے [illegible] سے روشناس کروایا ۔اور یہ پولس ہی کی کوششوں کا ثمرہ ہے کہ آج عیسائیت بین الاقوامی مذہب کے درجے پر فائز ہے اور تعداد کے لحاظ سے دنیا کا بڑا مذہب ہے ۔ پولس کو عیسائیت کا بانی کہا جاتا ہے ۔

---

1 - Encyclopedia Britanica ,1973, Vol. 17, pg:469

نصاریٰ سے
مکالمہ کا قرآنی اسلوب

نصاریٰ کے بلادلیل دعوے اور اللہ کا منطقی مکالمہ اسلوب

﴿وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۭ تِلْكَ اَمَانِيُّھُمْ ۭ قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾[1]

ترجمہ: (ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو جائے یا (عیسائیوں کے خیال کے مطابق) عیسائی نہ ہو ، یہ ان کی تمنائیں ہیں ۔ ان سے کہو اپنی دلیل پیش کرو اگر تم اپنے وعدے میں سچے ہو۔)

یہاں پر یہودیوں اور نصرانیوں کے غرور کا بیان ہورہا ہے کہ وہ اپنے سوا کسی کو کچھ نہیں سمجھتے اور صاف کہتے ہیں کہ ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا ۔ یہاں ان کے دعوے کی تردید کی گئی اور کہا گیاہے کہ لاؤ دلیل پیش کرو ۔ انہیں عاجز ثابت کرکے پھر فرمایا کہ ہاں جو بھی اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہو جائے اور خلوص و توحید کے ساتھ نیک عمل کرے اسے پورا پورا اجر و ثواب ملے گا۔[2]

یہاں ان دونوں فرقوں کے درمیان کے دعووں کو یکجا کرکے بیان فرمایا گیا ہے ورنہ ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ مدعی تھا۔ ی ۔دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰي شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰي شَيْءٍ ۙ وَّھُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴾[3]

1۔ سورۃ البقرۃ : ۱۱۱

2۔ تفسیر ابن کثیر، ج:۱، ص: ۱۹۳

3۔ سورۃ البقرۃ : ۱۱۳

ترجمہ: (یہودی کہتے ہیں عیسائیوں کے پاس کچھ نہیں ہے و عیسائی کہتے ہیں یہودیوں کے پاس کچھ نہیں۔ حالانکہ یہ دونوں ہی کتاب پڑھتے ہیں اور اس قسم کے دعوے ان لوگوں کے بھی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم نہیں ہے۔ یہ اختلافات جن میں یہ لوگ مبتلا ہیں ان کا فیصلہ قیامت کے روز کر دے گا)

نجران کے نصرانیوں کا وفد جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہودیوں کے علماء بھی آئے س وقت ان لوگوں نے انہیں اور انھوں نے انہیں گمراہ بتایا ۔ حالانکہ دونوں اہل کتاب ہیں توراۃ میں انجیل کی تصدیق اور نجیل میں توریت کی تصدیق موجود ہے پھر انکا یہ قول کس قدر لغو ہے ۔اگلے یہودو نصاری حق پہ قائم تھے لیکن پھر بدعتوں اور فتنہ پردازیوں کی وجہ سے دین ان سے چھن گیا اب نہ یہود یہودیت پر تھے اور نہ نصرانی ۔[1]

قال اللہ تعالی: ﴿وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾[2]

ترجمہ:۔ یہودی کہتے ہیں ، یہوی ہو تو راہ راست پاؤ گے عیسائی کہتے ہیں عیسائی ہو تو ہدایت ملے گی ان سے کہو نہیں بلکہ سب کو چھوڑ کر ابراہیم کا طریقہ (اپناؤ) اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھا۔

عبداللہ بن صوریا اعور نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم سے کہا تھا کہ ہدایت پر ہم ہیں تم ہماری مانو تو تمہیں بھی ہدایت ملے گی نصرانیوں نے بھی یہی کہا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہم تو ابراہیم کے متبع ہیں جو استقامت والے ، اخلاص والے ہیں۔[3]

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد اول، صفحہ: ۱۹۳

2۔ القرآن الکریم، سورۃ البقرۃ: ۱۳۵۔

3۔ تفسیر ابن کثیر، ج: ا، صلی اللہ علیہ وسلم: ۲۲۵۔

یہودیت اور عیسائیت دونوں بعد کی پیداوار ہیں ۔ یہودیت اپنی مذہبی خصوصیت اور رسوم و قواعد کے ساتھ تیسری چوتھی صدی قبل مسیح میں پیدا ہوئی اور" عیسائیت " جن عقائد اور مذہبی تصورات کا مجموعےکا نام ہے وہ تو حضرت مسیح کے بھی ایک مدت بعد وجود میں آئے ۔ اگر آدمی کے برسرہدایت ہونے کا دارومدار یہودیت یا عیسائیت اختیار کرنے ہی پر ہے تو حضرت ابراہیم اور دوسرے انبیاء اور نیک لوگ جو ان مذہبوں کی پیدائش سے صدیوں پہلے پید ہوئے تھے اور جن کو عیسائی اور یہودی بھی ہدایت یافتہ مانتے ہیں وہ آخر کس چیز سے ہدایت پاتے تھے ظاہر ہے کہ وہ "یہودیت" اور "عیسائیت" نہ تھی۔دوسرے یہ کہ خود یہود ونصاریٰ کی اپنی مقدس کتابیں اس بات پر گواہ ہیں کہ حضرت ابراہیم ایک اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش، تقدیس ،بندگی اوراطاعت کے قائل نہ تھے اور ان کا مشن ہی یہ تھا کہ خدا کی صفات و خصوصیات میں اللہ کے ساتھ کسی اورکو شریک نہ ٹھہرایا جائے لہٰذا یہ بالکل ظاہر ہے کہ یہودیت اور نصرانیت دونوں اس راہ سے منحرف ہو گئی ہیں جس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام چلتے تھے[1] ۔

دین میں غلو:

﴿يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾﴾[2]

1۔ تفہیم القرآن، جلد اول، صفحہ: ۱۷۲۔

2۔ سورۃ النساء : ۱۷۱۔۱۷۲

ترجمہ: (اے اہل کتاب ، اپنے دین میں غلو نہ کرو اور اللہ کی طرف حق کے سوا کوئی بات منسوب نہ کرو۔ مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اللہ کا ایک رسول تھا اور ایک فرمان تھا جو اللہ نے مریم کی طرف بھیجا اور ایک روح تھی اللہ کی طرف سے۔ پس تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور نہ کہو کہ تین ہیں باز آ جاؤ یہ تمہارے ہی لیے بہتر ہے اللہ تو بس ایک ہی خدا ہے وہ پاک ہے اس سے کہ کوئی اس کا بیٹا ہو۔ زمین اور آسمانوں کی ساری چیزیں اسی کی ملک ہیں اور ان کی کفالت و خبر گیری کے لیے بس وہی کافی ہے مسیح نے کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھا کہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور ان کے مقرب ترین فرشتے اس کو اپنے لیے عار نہیں سمجھتے ہیں اگر کوئی اللہ کی بندگی کو اپنے لیے عار سمجھتا ہے اور تکبر کرتا ہے تو ایک وقت آئے گا جب اللہ سب کو گھیر کر اپنے سامنے حاضر کرے گا)

نصرانیوں کا اس بارے میں کوئی ضابطہ ہی نہیں ہے وہ بے طرح بھٹک رہے ہیں اور اپنے تئیں برباد کر رہے ہیں ان میں سے بعض تو حضرت عیسیٰ کو خود خدا مانتے ہیں اور بعض شریک خدا مانتے ہیں اور بیٹا کہتے ہیں۔ نصرانیوں کے تین فرقے ہیں یہ تینوں فرقے اقانیم ثلاثہ کو حضرت عیسیٰ کے لیے ثابت کرتے ہیں اور ان میں بھی باہم اختلاف ہے اور ہر ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس سے باز آ جاؤ یہ باز رہنا ہی تمہارے لیے اچھا ہے۔ اللہ تو ایک ہے وہ توحید والا ہے اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہو[1]

ان کے سارے علم کلام کا زور اسی مسئلے پر صرف ہوا ہے حالانکہ یہ مشکل نہ خدا نے پیدا کی تھی نہ اس کے بھیجے ہوئے مسیح نے اور نہ اس مشکل کا کوئی حل ممکن ہے کہ خدا تین بھی مانے جائیں اور پھر وحدانیت بھی برقرار رہے اس مشکل کو صرف ان کے غلو نے پیدا کیا ہے اور اس کا بس یہی ایک حل ہے کہ وہ غلو سے باز آ جائیں۔ مسیح اور روح القدس کی الوہیت کا تخیل چھوڑ دیں۔ صرف اللہ کو الٰہ واحد تسلیم کریں اور مسیح کو صرف اس کا پیغمبر قرار دیں، نہ کہ کسی طور پر شریک فی الالوہیت۔[2]

---

1 ۔ تفسیر ابن کثیر، جلد اول، صفحہ: ۱۴۱ک

2 ۔ تفہیم القرآن، جلد اول ، صفحہ: ۴۲۹

رد الوہیت پر عقلی دلائل

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾(1)

ترجمہ: (یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی خدا ہے ۔ اے محمد ان سے کہ دو جنہوں نے کہ وہ اگر مسیح ابن مریم اور اس ماں اور تمام زمین والوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ اس کواس ارادے سے باز رکھ سکے؟ اللہ تو زمین اور آسمانوں کا اور ان سب چیزوں کا مالک ہے جو زمین اور آسمان کے درمیان پائی جاتی ہیں۔

اس فقرے میں ایک لطیف اشارہ ہے اس طرف کہ محض مسیح کی اعجازی پیدائش اور ان کے اخلاقی کمالات اور محسوس معجزات کو دیکھ کر جو لوگ اس دھوکہ میں پڑھ گئے کہ مسیح ہی خدا ہے وہ درحقیقت نہایت نادان ہیں مسیح تو اللہ کے بے شمار عجائب تخلیق میں سے محض ایک نمونہ ہے۔ جسے دیکھ کر ان ضعیف لوگوں کی نگاہ کچھ وسیع ہوتی تو انہیں نظر آتا کہ اللہ نے اپنی تخلیق کے اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز نمونے پیش کیے ہیں اور اس کی قدرت کسی خدا کے اندر محدود نہیں ہے ۔ بس یہ بڑی بے دانشی ہے کہ مخلوق کو دیکھ کر اس پر خالق ہونے کا گمان کر لیا جائے ۔(2)

حضرت عیسیٰ اللہ کی طرف سے جو عقیدہ لے کر آئے تھے وہ وہی عقیدہ توحید تھا جسے تمام رسول لے کر آئے ۔ صرف اللہ کی بندگی کرنا وہ اقرار ہے جو ہر رسول نے کیاہے ۔ لیکن اس صاف اور ممتاز عقیدے کے اندر تحریفات اس وقت ہوئیں جب عیسائیت کے اندر بت پرستی داخل ہوئی اور عیسائیوں نے بت پرستی کے غلط مواد کو لا کر عقیدہ توحید

1۔ سورۃ المائدۃ : ۱۷

2۔ تفہیم القرآن، جلد :اول، صفحہ :۴۵۷

کا جزء بنا دیا۔ اور اس کو اس کے اندر اس قدر گڈ مڈ کر دیا کہ عیسائیوں کے عقیدہ توحید کا اصلی جوہر نکالنا ممکن ہی نہ رہا۔[1]

اللہ تعالیٰ نصاریٰ کو متوجہ کرتے ہیں کہ ذرا عقل سے تو کام لو اور ذرا واقعی صورتحال پر بھی غور کرو اگر خدا مسیح ابن مریم کو اور اس کے ماں اور اور تمام زمین والوں کو ہلاک کرنا چاہے تو کس کی مجال ہے کہ اس کو اس ارادے سے باز رکھ سکے۔

وقال تعالیٰ: ﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴾[2]

ترجمہ: "اس طرح ہم نے ان لوگوں سے پختہ عہد لیا تھا کہ جنھوں نے کہا تھا کہ ہم نصاریٰ ہیں مگر ان کو جو سبق یاد کرایا گیا تھا اس کا ایک بڑا حصہ انہوں نے فراموش کر دیا۔ آخر کار ہم نے ان کے درمیان قیامت تک کیلئے دشمنی اور آپس کے بغض و عناد کا بیج بو دیا اور ضرور ایک وقت آئے گا جب اللہ انہیں بتائے گا کہ وہ دنیا میں کیا بناتے رہے ہیں۔"

اس طرح ان لوگوں سے بھی عہد لیا تھا جنھوں نے کہا کہ ہم نصاریٰ ہیں اس انداز کے اندر اشارہ یہ ہے کہ انہوں نے نصاریٰ ہونے کا دعویٰ تو کیا تھا لیکن عملاً انہوں نے اس عہد کو پورا نہیں کیا تھا۔ اس عہد و پیمان کی اساس یہ تھی کہ ہم اللہ کو صرف وحدہ لاشریک سمجھیں گے۔ لیکن انہوں نے اپنی گمراہی کا آغاز ہی اپنے اساسی عقیدہ توحید سے کیا اس سبق کو بھلانے کے نتیجے میں وہ غلط راہ پر دور نکل گئے اور ان کے درمیان فرقہ وارانہ اور گروہی اختلافات پیدا ہوئے۔[3]

1۔ فی ظلال القرآن، ج: دوم، ص: ۴۶۷

2۔ سورۃ المائدۃ: ۱۴

3۔ فی ظلال القرآن، جلد دوم، صفحہ: ۴۵۹

﴿وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؗ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾﴾ (1)

ترجمہ: یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں ان سے پوچھو پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں سزا کیوں دیتاہے۔ درحقیقت تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان اللہ نے پیدا کیے ہیں۔

عیسائیت میں رہبانیت کی حقیقت

﴿ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَ قَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَ جَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ رَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۷﴾﴾ (2)

ترجمہ:۔ اور رہبانیت انہوں نے خود ایجاد کر لی اسے ہم نے انپر فرض نہیں کیا تھا مگر اللہ کی خوشنودی کی طلب میں انہوں نے آپ ہی یہ بدعت نکالی اور پھر اس کی پابندی کرنے کا جو حق تھا اسے ادا نہ کیا ۔ ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہوئے تھے ان کا اجر ہم نے ان کو عطا کیا ۔ مگر ان میں اکثر لوگ فاسق ہیں۔

یہاں اللہ نصرانیوں سے مخاطب ہو کر ان کی ایک بدعت کا ذکر کر رہا ہے جو ان کی شریعت میں نہ تھی لیکن انہوں نے خود اپنی طرف سے ایجاد کر لی ۔ اس کے بعد آیت

1۔ سورۃ المائدۃ: 18

2۔ سورۃ الحدید: 27

جملے کے دو مطلب بیان کیے گئے ایک تو یہ کہ ان کا مقصد نیک تھا ۔ اللہ کی رضا جوئی کیلئے یہ طریقہ نکالا تھا ۔ دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہم نے اسے ان پر واجب نہیں کیا تھا۔ ہم نے ان پر اللہ کی رضاجوئی واجب کی تھی پھر فرماتا ہے کہ کہ یہ سے بھی نبھ نہ سکے جیسا چاہیے تھا ویسے بھی اس پر نہ جمے ۔ پس دوہری خرابی آئی ایک اپنی طرف سے ایک نئی بات دین الٰہی میں ایجاد کرنے کی دوسری اس پر بھی قائم نہ رہنے کی ۔[1]

آپ ؐ نے فرمایا۔ بنی اسرائیل کے بہتر گروہ ہو گئے جن میں سے تین نے نجات پائی۔ پہلے فرقے نے تو بنی اسرائیل کی گمراہی دیکھ کر ان کی ہدایت کیلئے اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھ کر ان کی بڑوں کو تبلیغ شروع کی لیکن آخر وہ لوگ جدال و قتال پر اتر آئے اور بادشاہ اور امراء نے جواس تبلیغ سے بہت گھبراتے تھے۔ ان پر لشکر کشی کی اور ان کو قتل بھی کیا اور قید بھی کیا اور پھر نجات حاصل کر لی پھر دوسری جماعت کھڑی ہوئی ان میں مقابلے کی طاقت تو نہ تھی تا ہم اپنے دین کی قوتوں سے سر کشوں اور بادشاہوں کے دربار میں حق گوئی شروع کی اور اللہ کے سچے دین اور حضرت عیسیٰ کے مسلک اصلی کی طرف انہیں دعوت دینے لگے۔ ان بدنصیبوں نے انہیں قتل بھی کروایا ۔ آروں سی بھی چیرا اور آگ میں بھی جلایا جسے اس جماعت نے صبر و شکر کے ساتھ برداشت کیا اور نجات حاصل کی پھر تیسری جماعت اٹھی ۔ یہ ان سے بھی زیادہ کمزور ان میں طاقت نہ تھی کہ اصل دین کے کام کی تبلیغ ان ظالموں میں کریں ۔ اس لیے انہوں نے اپنے دین کا بچاؤ اسی میں سمجھا کہ جنگلوں میں نکل جائیں اور پہاڑوں پر چڑھ جائیں ۔ عبادت میں مشغول ہو جائیں اور دنیا کو ترک کر دیں اور انہی کا ذکر رہبانیت والی آیت میں ہے ۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں نے حضرت عیسیٰ کے بعد توریت اور انجیل میں تبدیلیاں کر لیں لیکن ایک جماعت ایمان پر قائم رہی اور اصلی تورات اور انجیل ان کی ہاتھ میں رہی جسی وہ تلاوت کیاکرتے تھے ۔ایک مرتبہ ان لوگوں جنہوں نے کتاب اللہ میں رد و بدل کر لیا تھا اپنےبادشاہوں سے ان سچے مؤمنوں کی شکایت

---

1 ۔ تفسیر ابن کثیر جلد: ۴، ص: ۳۷۵

کی کہ یہ لوگ کتاب اللہ کہہ کر جس کتاب کو پڑھتے ہیں اس میں تو ہمیں گالیاں لکھی گئیں ہیں ۔ اس میں لکھا ہوا ہے جو کوئی اللہ کی نازل کردہ کتاب کے مطابق حکم نہ کرے وہ کافر ہے اور اسی طرح کی بہت سی آیتیں ہیں پھر یہ لوگ ہمارے ایمان پر بھی عیب گیری کرتے ہیں پس آپ انہیں دربار میں بلائیے اور انہیں مجبور کیجئے کہ یا تو وہ اسی طرح پڑھیں جس طرح ہم پڑھتے ہیں اور ویسا ہی وہ عقیدہ اور ایمان رکھیں جیسا ہمارا ہے ورنہ انہیں بدترین عبرتناک سزا دیجئے ۔ چنانچہ ان سچے مسلمانوں کو دربار میں بلا گیا اور ان سے کہا گیا یا تو ہماری اصلاح کردہ کتاب پڑھا کرو اور تمہارے اپنے کتابوں میں جو الہامی کتابیں ہیں انہیں چھوڑ دو ورنہ جان سے ہاتھ دھو لو اور قتل گاہ کی طرف قدم بڑھاؤ اس پر ان پاکبازوں کی ایک جماعت نے تو کہا تم ہمیں ستاؤ نہیں تم اونچی عمارت بنا دو ہمیں وہاں پہنچا دو اور ڈوری چھڑی دے دو ہمارا کھاناپینا اس میں ڈال دیا کرو۔ ہم اوپر سے گھسیٹ لیا کریں گے ۔ ایک جماعت نے کہا ہم یہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں ۔ جنگلوں اور پہاڑوں میں نکل جاتے ہیں ۔ ایک جماعت نے کہا ہمیں اپنی آبادی کے ایک طرف کچھ زمین دے دو ہم وہاں کنوئیں کھود لیں گے اور کھیتی باڑی کر لیں گے ۔ چونکہ اس اللہ والی جماعت سے ان لوگوں کی قریبی رشتہ داریاں تھیں اس لیے یہ درخواستیں منظور کر لی گئیں اور یہ لوگ اپنے اپنے ٹھکانے چلے گئے لیکن ان کے ساتھ بعض اور لوگ بھی لگ گئے جنہیں دراصل علم و ایمان نہ تھا ۔ تقلیداً ساتھ ہو لیے ان کے بارے میں یہ آیت (ورھبانیة)نازل ہوئی ۔[1]

یہی بات ہے جو نبی کریمؐ نے فرمائی ہے:"لا رھبانیة فی الاسلام"[2]

ترجمہ:۔ اسلام میں کوئی رہبانیت نہیں ۔

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج: چہارم ، صفحہ :۳۷۶

2۔ مسند احمد

یہود سے
مکالمے کا قرآنی اسلوب

یہود یت کی ابتدا اور وجہ تسمیہ

اصل دین جو حضرت موسیٰ اور ان سے پہلے اور بعد کے انبیاء لائے تھے وہ تو اسلام ہی تھا ۔ ان انبیاء میں سے کوئی بھی یہودی نہ تھا اور نہ ان کے زمانے میں یہودیت پیدا ہوئی تھی ۔ یہ مذہب اس نام کے ساتھ بہت بعد کی پیداوار ہے یہ اس خاندان کی طرف منسوب ہے جو حضرت یعقوب علیہ السلام کی چوتھے بیٹے یہودا ہ کی نسل سے تھا۔ حضرت سلیمان کے بعد جب ان کی سلطنت دوٹکڑوں میں تقسیم ہو گئی تو یہ خاندان اس ریاست کا مالک ہوا جو یہودیہ کے نام سے منسوب ہوئی اور بنی اسرائیل کے دوسرے قبیلوں نےاپنی الگ ریاست قائم کر لی ۔ جو سامریہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ پھر اسیریہ نے نہ صرف یہ کہ سامریہ کو برباد کیا بلکہ ان اسرائیلی قبیلوں کا نام و نشان مٹا دیا جو اس ریاست کے بانی تھے اس کے بعد صرف یہوداہ اور اس کے ساتھ بن یامین کی نسل ہی باقی رہ گئی جس پر یہوداہ کی نسل کے غلبے کی وجہ سے یہود کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا ۔ اس نسل کے اندر کاہنوں اور ربیوں اور احبار نے اپنےاپنے خیالات اور رجحانات کے مطابق عقائد اور رسوم اور مذہبی ضوابط کا جو ڈھانچہ صد ہا برس میں تیار کیا اس کا نام یہودیت ہے ۔ یہ ڈھانچہ چوتھی صدی قبل مسیحؑ سے بننا شروع ہوا اور پانچویں صدی بعد مسیح تک بنتا رہا ۔ اللہ کے رسولوں کی لائی ہوئی ربانی ہدایت کابہت تھوڑا عنصر ہے اور اس کا حلیہ بھی اچھا خاصا بگڑ چکا ہے اس بناء پر قرآن مجید میں اکثر مقامات پر ان کو ﴿الذین ھادوا﴾ کہہ کر خطاب کیا گیا ہے یعنی اے وہ لوگو جو یہودی بن کر رہ گئے ہو ۔ ان میں سب کے سب اسرائیلی ہی نہ تھے بلکہ وہ غیر اسرائیلی لوگ بھی تھے جنھوں نے یہودیت قبول کرلی تھی۔ قرآن میں جہاں بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے وہاں بنی اسرائیل کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور جہاں مذہب یہود کے پیروؤں کو خطاب کیا گیا ہے وہاں ﴿الذین ھادوا﴾ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں ۔[1]

---

1 ۔ یہودیت قرآن کی روشنی میں، مولانا مودودی، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص : ۲۳

بنی اسرائیل کی وجہ تسمیہ

حضرت یعقوب ، حضرت اسحاق کے دوسرے بیٹے اور حضرت ابراہیم کے پوتے ہیں ۔ عبرانی زبان میں حضرت یعقوب کا نام اسرائیل ہے ۔ یہ " اسرا" (عبد) اور "ایل" (اللہ) دو لفظوں سے مرکب ہے اور عربی میں اس کا ترجمہ عبداللہ کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے حضرت حضرت اسحاق سے وابستہ خاندان جو حضرت یعقوب یعنی بنی اسرائیل کی نسل سے ہے ۔ بنی اسرائیل کہلاتا ہے ۔ [1]

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت اسحاق نے اپنے والد کی زندگی میں رفقا بنت ہوائیں سے شادی کی اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی ۔ وہ بانجھ تھی ' آپ نے اللہ سے دعا کی تو وہ امید سے ہو گئی پھر اس کے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے ایک کا نام عیسو تھا جسے اہل عرب عیص کہتے ہیں ۔ وہ رومیوں کا جد امجد تھا اور دوسرا جو اپنے بھائی کی ایڑی پکڑے ہوئے پیدا ہوئے اس کا نام یعقوب رکھا گیا ان ہی کا نام " اسرائیل "تھا ۔ اس لیے ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے [2]۔

اس قوم کی اپنی روایات یہ ہیں کہ مورث اعلیٰ نے حضرت یعقوب علیہ اسلام سے کشتی لڑی ۔ رات بھر کشتی ہوتی رہی ۔ صبح تک لڑ کر بھی ان کو نہ پچھاڑ سکا پھر جب صبح ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا اب مجھے جانے دو ۔ تو انہوں نے کہا میں تجھے نہ جانے دوں گا ۔جب تک تو مجھے برکت نہ دے ۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا تمارا نام کیا ہے ؟ انہوں نے کہا یعقوب ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آئندہ تیرا نام یعقوب نہیں بلکہ بنی اسرائیل ہو گا۔ کیونکہ تم نے خدا اور آدمیوں سے نبرد آزمائی کی اور غالب ہوا۔[3]

---

1 ۔ قصص الانبیاء واصحاب صالحین، محمد حفظ الرحمٰن، سیوہاری، ادارہ الحرم، رائیونڈ۔ ۱۴۰۸ء، ص: ۹۸

2 ۔ قصص الانبیاء، ابولافدا ابن کثیر الدمشقی، ترجمہ: مولانا عطاء اللہ ساجد، دارالاسلام، ص: ۲۷۰

3 ۔ The holy scriptures jewish Publication Society of America, ۱۹۵۴ء، کتاب پیدائش، آیت ۲۵۔۲۹

نوح کے بعد حضرت ابراہیم پہلے نبی ہیں ۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عالمگیر دعوت پھیلانے کیلئے مقرر کیا تھا۔ انہوں نے پہلے خود عراق سے مصر تک اور شام و فلسطین سے ریگستان عرب کے مختلف گوشوں تک برسوں گشت لگا کر اللہ کی اطاعت و فرمانبرداری کی طرف لوگوں کو دعوت دی پھر اپنے مشن کی اشاعت کیلئے علاقوں میں اپنے خلفاء مقرر کیے ۔ شرق اردن میں اپنے بھتیجے حضرت لوط کو شام و فلسطین میں اپنے بیٹے حضرت اسحاق کو اوراندرون عرب میں اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل کو مامور کیا ۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکے میں رہ کر وہ گھر تعمیر کیا جس کا نام کعبہ ہے اور اللہ ہی کے حکم سے وہ اس مشن کا مرکز قرار پایا ۔[1]

ایک طرف حضرت ابراہیم حضرت اسحاق حضرت یعقوب اور حضرت یوسف جیسے جلیل القدر پیغمبر ان کی قوم میں پیدا ہوئے، اور دوسری طرف حضرت یوسف کے زمانے میں اور ان کے بعد مصر میں ان کو اقتدار نصیب ہوا ۔ مدت دراز تک یہی اس زمانے کی مہذب دنیا کے سب سے بڑے فرماں روا تھے۔ اور ان ہی کا سکہ مصر اور اس کے نواح میں رواں تھا ۔ عموماً لوگ بنی اسرائیل کے عروج کی تاریخ حضرت موسیٰ سے شروع کرتے ہیں ۔ لیکن قرآن سورۃالمائدۃ میں تصریح کرتا ہے کہ بنی اسرائیل کا اصل زمانہ عروج حضرت موسیٰ سے پہلے گزر چکا ہے ۔ جسے خود حضرت موسیٰ اپنی قوم کے سامنے اس کے شاندار ماضی کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿وَ اِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ یٰقَوۡمِ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ جَعَلَ فِیۡکُمۡ اَنۡۢبِیَآءَ وَ جَعَلَکُمۡ مُّلُوۡکًا ٭ۖ وَّ اٰتٰىکُمۡ مَّا لَمۡ یُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۲۰﴾﴾[2]

ترجمہ: یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو اللہ کی اس نعمت کا خیال کرو جو اس نے تمہیں عطا کی تھی۔ اس نے تم میں نبی پیدا کیے ۔ تم کو فرمانروا بنایا اور تم کو وہ کچھ دیا جو دنیا میں کسی کو نہ دیا تھا

1۔ یہودیت قرآن کی روشنی میں ، مولانا مودودی: ص :۲۱

2۔ سورۃ المائدہ :۲۰

تاریخ بنی اسرائیل

بنی اسرائیل کی تاریخ دلچسپی سے خالی نہیں ۔ حضرت یعقوب کا دوسرا نام اسرائیل ہے آپ حضرت اسحاق کے بیٹے اور حضرات ابراہیم کے پوتے تھے ۔ بائبل میں حضرت ابراہیم کو " ابرام" اور " ابراہام" کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے اور آل یعقوب کو بنی اسرائیل کا نام دیا گیا ہے۔

حضرت یعقوب کا گھرانہ

عہد عتیق کی رو سے حضرت یعقوب کی دو بیویاں تھیں جو کہ ان کے ماموں لابن کی بیٹیاں "لیاہ" اور " راخل" حقیقی بہنیں تھیں جو کہ ان کے باپ نے انہیں ایک ایک لونڈی دی تھی ۔ لیاہ کی لونڈی کا نام زلفہ تھا اور راخل کی لونڈی بلہاہ تھی ۔ یہ دونوں لونڈیاں حضرت یعقوب کے حرم میں شامل ہو کر چار عورتوں میں سے حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے اور دو بیٹیاں ملک کنعان میں پیدا ہوئے۔

"من ليئة: راوبين ، شمعون، لاوی (من نسله موسیٰ)

يهوذا: (من اسمه اخذت كلمة يهود)، يساكر، زبولون

من راخل: يوسف، بنيامين

من زلفة: جاد، اشهر

من بلهاة: دان، نفتالی[1]

حضرت یعقوب کے بیٹے حضرت یوسف بھائیوں کی بد سلوکی کی وجہ سے لڑکپن میں ہی مصر پہنچ گئے تھے۔ جوان ہو کر وہ مصر کے حاکم بن گئے اور وہاں ان کے دو بیٹے منسی اور افراہیم پیدا ہوئے ۔ کنعان میں رہتے ہوئے ۔ حضرت یعقوب کے گیارہ بیٹوں میں سے سرد کے سوا نرینہ اولاد ہی پیدا ہوئی جن کی تعداد (۵۱) تھی ۔ ان میں سے دو پوتے حیر اور ونان مر

---

1 ۔ مقارنۃ الادیان'' الیہودیۃ'' ، دکتور احمد شلبی، ص:۳۶

گئے ۔ تو پوتوں کا شمار ۹ رہ گیا جن میں سے دو کو دو دو بیٹے پیدا ہونے سے حضرت یعقوب کی گیارہ بیٹوں دو بیٹیوں ۴۹ پوتوں کو ملا کر کنعان میں:

" یعقوب کی صلب سے جو لوگ پیدا ہوئے، اور اس کے ساتھ مصر میں آئے وہ اس کی بہوؤں کو چھوڑ کر شمار میں ۶۶ تھے اور یوسف کے دو بیٹے تھے جو مصر میں پیدا ہوئے، سو یوسف کے گھرانے کے جو لوگ مصر میں آئے وہ سب مل کر ستر ہوئے"۔ [1]

کنعان میں حضرت یعقوب کے صلب سے پیدا ہونے والے ۶۶ افراد میں خود حضرت یعقوب اور حضرت یوسف اور ان کے دو بیٹوں کو شامل کر کے کل تعداد ستر بنتی ہے ۔ مگر عہد جدید میں کنعان میں حضرت یعقوب کے کنبے کے افراد کی تعداد ۷۵ بیان کی گئی ہے ۔ پھر حضرت یوسف نے اپنے باپ حضرت یعقوب اور سارے کنبے کو جو ۷۵ جانیں تھیں بلا بھیجا ۔[2]

کنعان میں جب قحط پڑا تو حضرت یعقوب اپنے گھرانے کے ہمراہ حضرت یوسف کے پاس مصر چلے آئے تھے اس وقت حضرت یعقوب کے صلب سے مصر میں بودو باش رکھنے والے نرینہ اولاد ۱۲ بیٹے ۵۱ پوتے اور دو پوتوں کے چار بیٹے (پڑپوتے) یہ کل ۶۷ افراد تھے ۔ ان میں سے ۱۲ بیٹوں اور ۲ پوتوں کے ہاں کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی۔ اس سے مصر میں اسرائیل کی نسل بڑھانے والے کل مردوں کی تعداد ۵۳ تھی۔

عہد نامہ میں کتاب پیدائش میں اسرائیل کی برگزیدہ اولاد کے بارے میں آتا ہے:

"اسرائیل کی بیوی لیاہ سے اس کا پہلوٹھا رابن پیدا ہوا تھا ۔ پہلوٹھے کا حق باپ کی میراث میں دوگنا ہوتا تھا۔لیکن اپنی ماں سے ہم بستر ہونے سے وہ پہلوٹھے کا حق دار نہ رہا ۔ اسرائیل نے پہلوٹھے کا حق اپنے سب سے پیارے بیٹے یوسف کو بخش کر ان کے بیٹوں منسی اور افراہیم کواپنی میراث کے دو حصے دیئے ۔ لیکن برکت دے کر انہوں نے افراہیم کو برگزیدہ ٹھہرایا۔[3]

1۔کتاب پیدائش، باب:۴۶،آیت: ۲۶۔۲۷

2۔کتاب اعمال، باب:۷،آیت: ۱۴

3۔کتاب پیدائش، باب:۴۸،آیت: ۲۰۔۲۲

"اسرائیل نے اپنے بیٹے یہوداہ کو یہ برکت دی کہ اس کی نسل میں بادشاہت قائم رہے گی۔[1]

حیرت اس بات پر کہ بائبل میں یہ فضیلت یہوداہ کے ایک ناجائز بچے فارص کی طرف منتقل ہوئی جو بہوتمر کے ساتھ یہوداہ کی محبت سے پیدا ہوا تھا۔ یہودی [illegible] حضرت داؤد، حضرت سلیمان ، حضرت مسیح جیسی برگزیدہ ہستیوں کو فخریہ فارص کی نسل قرار دیتے ہیں ۔ اسرائیل کے بیٹے لاوی کو یہ برگزیدگی ملی کہ اس کی نسل سے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون پیدا ہوئے اور خدا کے حکم سے حضرت موسیٰ نے کہانت یعنی دینی پیشوں کا اعلیٰ ترین منصب حضرت ہارون کی اولاد کو بخشا[2]

اپنی موت سے پہلے اسرائیل (حضرت یعقوب) نے حضرت یوسف کی اولاد کو اپنے بیٹوں کے ساتھ یہ کہہ کر شامل کر لیا تھا " تیرے دونوں بیٹے جو ملک مصر میں میرے آنے سے پہلے پیدا ہوئے میرے ہیں یعنی روبن اور شمعون کی طرح افرائیم اور منسی بھی میرے ہوں گے اور جو اولاد ان کے بعد تجھ سے ہوئی وہ تیری ٹھہرے گی ۔ پر یہ اپنی میراث میں اپنے بھائیوں کے نام وہ لوگ نامزد ہو ں گے۔[3]

اسی طرح افرائیم اور منسی کو شامل کر کے حضرت یعقوب کے ۱۴ بیٹے بن گئے حضرت یوسف کے ہاں منسی اور افرائیم کے علاوہ کوئی اولاد نرینہ پیدا نہ ہوئی اس لیے حضرت یوسف کے نام سے کوئی قبیلہ نہ بنا ۔ اس سے حضرت یوسف کے علاوہ حضرت یعقوب کے گیارہ بیٹوں اورحضرت یوسف کے دو بیٹوں افرائیم اور منسی کے ناموں سے مصر میں بنی اسرائیل کے تیرہ قبیلے بن گئے حضرت موسیٰ کے زمانے میں جب انہوں نے لاوی کے قبیلے کو مذہبی رسومات ادا کرنے کیلئے باقی بنی اسرائیل کو علیحدہ کر دیا تو بنی اسرائیل کے بارہ قبائل رہ گئے لیکن بنی اسرائیل کی تاریخ کو اگر ہم اسلام کی روشنی میں دیکھیں تو ہمیں دونوں کے بیانات

---

1 ۔ کتاب پیدائش، باب ۴۹، آیت :۱۰

2 ۔ گنتی، باب :۱۸، آیت :۱

3 ۔ کتاب پیدائش : باب ۴۸ : ، آیت : ۵،۶

میں صاف تضاد نظر آتا ہے ۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کے وقت آپ کے والد ماجد حضرت ابراہیم کی عمر سو سال تھی۔ آپ کی والدہ حضرت سارہ کو جب آپ کی ولادت کی خوشخبری دی گئی تو وہ نوے سال کی تھیں ۔ آپ اپنے بھائی حضرت اسماعیل سے ۱۴ سال بعد پیدا ہوئے ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَ بَشَّرۡنٰهُ بِاِسۡحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۱۲﴾ وَ بٰرَكۡنَا عَلَيۡهِ وَ عَلٰٓى اِسۡحٰقَ ؕ وَ مِنۡ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحۡسِنٌ وَّ ظَالِمٌ لِّنَفۡسِهٖ مُبِيۡنٌ ﴿۱۱۳﴾ ﴾[1]

ترجمہ:۔ اور ہم نے ابراہیم کو اسحٰق کی بشارت بھی دی (کہ وہ نبی نیکو کاروں میں سے (ہوں گے) اور ہم نے ان پر اور اسحٰق پر برکتیں نازل کی تھیں اور ان دونوں کی اولاد میں سے نیکو کار بھی ہیں اور اپنے آپ پر صریح ظلم کرنے والے (یعنی گناہگار) بھی ہیں۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پرآپ کا ذکر اور تعریف موجود ہے ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا :۔ کریم شخصیت کے پڑپوتے کریم کے پوتے کریم کے بیٹے اور خود بھی کریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں ۔[2]

اہل کتاب کہتے ہیں کہ حضرت اسحٰق نے اپنے والدکی زندگی میں رفقہ بنت بتوایل سے شادی کی اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی ۔ وہ بانجھ تھیں ۔ آپ نے اللہ سے دعا کی تو وہ امید سے ہو گئیں ۔ پھراسکے ہاں دو بیٹے پیدا ہوئے ۔ ایک کا نام عیسو تھا جسے اہل عرب عیص کہتے تھے۔ وہ رومیوں کا جد امجد ہے ۔ دوسرا جو اپنے بھائی کی ایڑھی پکڑے ہوئے پیدا ہوا اس کا نا م یعقوب رکھا گیا ۔ ان ہی کانام اسرائیل بھی ہے اس لیئے ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے ۔ کہتے ہیں کہ حضرت اسحٰق کو حضرت یعقوب کی نسبت عیسو سے زیادہ محبت تھی کیونکہ وہ انکا پہلوٹھا بیٹا تھا اور رفقا کو یعقوب سے زیادہ محبت تھی کیونکہ وہ چھوٹے تھے جب حضرت اسحٰق بوڑھے ہو گئے اور ان کی نظر کمزور ہو گئی تو انہوں نے اپنے بیٹے عیسو سے

1۔سورۃ الصّٰفّٰت : ۱۱۲۔۱۱۳

2۔ (صحیح البخاری،کتاب :احادیث الانبیاء، باب : (ام کنتم شہداء۔۔۔) حدیث : ۳۳۸۲

کھانا تیار کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اسے حکم دیا کہ جا کر کوئی جانور شکار کر کے اور اس کا گوشت کھلائے تا کہ آپ اس کے حق میں خیر و برکت کی دعا کریں ۔ عیسو شکار پیشہ آدمی تھا ۔ وہ شکار کی تلاش میں نکل گیا ۔ رفقا نے اپنے بیٹے یعقوب سے کہا کہ اپنی بکریوں میں سے جو عمدہ سمجھے ذبح کر کے اپنے والد کی پسند کا کھانا تیار کرے اور اپنے بھائی کے آنے سے پہلے والد کو پیش کرے تا کہ وہ اس کے حق میں دعا کریں ۔ پھر اس نے یعقوب کو عیسو کے کپڑے پہنا دیئے اور میمنوں کی کھال اس کے بازوؤں اور گردن پر لپیٹ دی کیونکہ عیسو کے جسم پر بہت بال تھے اور یعقوب کا جسم بالوں سے صاف تھا ۔ جب اس نے کھانا کر پیش کیا تو اسحٰق نے فرمایا: تو کون ہے ؟ اس نے کہا آپ کا بیٹا عیسو ہوں آپ نے اس سے معانقہ کیا اور فرمایا آواز تو یعقوب کی ہے لیکن چھونے اور کپڑوں سے عیسو معلوم ہوتا ہے جب حضرت اسحٰق نے کھانا کھا لیا تو حضرت یعقوب کو دعا دی کہ وہ اپنے تمام بھائیوں سے زیادہ معزز ہو وہ ان کا اوران کے بعد والی قوموں کا سردار ہو اور اس کا رزق اور اولاد بہت زیادہ ہو۔ جب وہ آپ کے پاس سے نکلے تو ان کا بھائی عیسو بھی والد کے حکم کے مطابق کھانا لے کر حاضر ہوا ۔ حضرت اسحٰق نے فرمایا !بیٹا یہ کیا ہے اس نے کہا یہ وہ کھانا ہے جس کی آپنے خواہش کی تھی۔ آپ نے فرمایا کیا تو تھوڑی دیر پہلے میرے پاس کھانا نہیں لایا تھا جسے کھا کرمیں نے تجھے دعا دی تھی ۔ اس نے کہا نہیں اللہ کی قسم اس سے معلوم ہو گیا کہ اس کا بھائی یعقوب اس سے پہلی کھانا پیش کرکے دعا لے چکا ہے چنانچہ اسے اس پر بہت غصہ آیا ۔ اہل کتاب کہتے ہیں کہ اس نے بھائی کو دھمکی دی کہ باپ کی وفات کے بعد اسے قتل کر دے گا۔ اس کے مطالبے پر اس کے والد (اسحٰق) نے اس کیلیئے دوسری دعا کی کہ اس کی اولاد کو سخت اور زرخیز) زمینیں ملیں اور اس کے رزق اور پھلوں میں اضافہ ہو۔[1]

جب ان کی ماں نے سنا کہ عیسو اپنے بھائی یعقوب کو دھمکی دے رہا ہے تو اس نے کہا کہ اپنے ماموں (لابان) کے پاس حران کے علاقے میں چلا جائے اور بھائی کا غصہ ٹھنڈا ہونے تک وہیں رہے اور اس کی بیٹیوں میں سے کسی سے شادی کر ے ۔ اس نے اپنے

1۔ قصص الانبیاء۔ابن کثیر، ص: ۱۷۲

خاوند اسحٰق سے بھی کہا کہ یعقوب کوایسا کرنے کی نصیحت کرے اور اسے دعا دے ۔ چنانچہ اسحٰق نے ایسے ہی کیا ۔ حضرت یعقوب دن کے پچھلے پہر روانہ ہوئے ۔ راستہ میں شام ہو گئی وہ راستہ میں سر پتھر پر رکھ کرسو گئے انہوں نے خواب میں دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک سیڑھی لگی ہوئی ہے ۔جس پر فرشتے چڑھ اور اتر رہے ہیں ۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں یعقوب کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے میں تجھ کو برکت دوں گااور تیری اولاد بہت بڑھاؤں گا اور یہ زمین تجھے اور تیری نسل کو دوں گا۔ جب آپ بیدار ہوئے تو اس خواب کی وجہ سے بہت خوش تھے ۔ آپ نے نذر مانی کہ اگر آپ سلامتی سے گھر پہنچ گئے تو اس مقام پر اللہ کی عبادت گاہ تعمیر کریں کے اور اللہ تعالیٰ آپ کوجو کچھ بھی دے گا اس کا دسواں حصہ اللہ کیلئے دیں گے۔ پھر آپ نے اس پتھر پر بطور نشانی تیل لگا دیا۔ اس جگہ کا نام بیت ایل یعنی بیت اللہ رکھا گیا ۔ یہ وہی جگہ ہے جہں آج کل بیت المقدس موجود ہے جسے حضرت یعقوب نے عہد میں بنایا تھا۔[1]

جب حضرت یعقوب حران کے علاقے میں اپنے ماموں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کی دو بیٹیاں ہیں بڑی کا نام لیاہ اور چھوٹی کا نام راخل تھا۔ آخرالذکر زیادہ خوش شکل تھی) یعقوب نے اس کا رشتہ طلب کیا تو اس لڑکی کے والد (لابان) نے یہ مکالبہ اس شرط پر منظور کر لیا کہ آپ سات سال تک اس کی بکریاں چرائیں ۔ جب یہ مدت پوری ہو گئی تو لابان نے لوگوں کو جمع کیا اور کھانا کھلایا ۔ رات کو اپنی بڑی بیٹی لیّاہ کو یعقوب کے پاس بھیج دیا ۔ اس کی آنکھیں چندی تھیں ۔ صبح ہوئی تو انکو معلوم ہوا کہ انہوں نے لیاہ کے ساتھ رات گزاری ہے تو انہوں نے اپنے ماموں سے کہا میں نے تو آپ سے راخل کا رشتہ مانگا تھا۔ اس نے کہا ہمارے ہاں رواج نہیں کہ بڑی بیٹی سے پہلے چھوٹی کی شادی کر دیں ۔ اگر تم راخل سے نکارح کرنا چاہتے ہو تو سات سال مزید میری خدمت کرو میں اس کا نکاح بھی تمہارے ساتھ کر دوں گا۔ آپ نے سات سال مزید ان کی خدمت کی تب ان کا نکاح راخل

---

1 ۔ قصص الانبیاء، ابو الفداء اسماعیل بن کثیر، ص: ۲۷۱

سے بھی ہو گیا۔ ان کی شریعت میں یہ جائز تھا کہ ایک شخص دو بہنوں کو ایک وقت میں نکاح میں رکھے ۔ پھر تورات میں اسے منع کردیا گیا ۔ لابان نے اپنی دونوں بیٹیوں کو ایک ایک لونڈی دی ایک کا نام زلفی اور دوسری کا بلہاہ تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے لیّا کی کمزوری دور کی اور انہیں کئی بیٹے عطا فرما دیئے۔ یعقوب سے ان کے ہاں سب سے پہلے " روبیل" پیدا ہوا ۔ پھر " شمعون" پھر " لاوی" اور " یہودا" تب راخل کو غیرت آئی کیونکہ ان کے ہاں اولاد نہیں ہو رہی تھی اس نے اپنی لونڈی بلہاہ یعقوب کو ہبہ کر دی ۔ آپ نے اس سے خلوت کی تو وہ امید سے ہو گئی اور اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام " دان" تھا اس کے بعد ایک ا ور لڑکا پیدا ہوا اس کا نام " نیفتالی" رکھا، تب لیا نے بھی اپنی لونڈی زلفہ یعقوب کو ہبہ کر دی ۔ اس سے آپ کے دو لڑکے " جاد " اور " اشیر" پیدا ہوئے ۔ پھر لیا کے ہاں پانچواں بیٹا پیدا ہوا ۔اس نے اس کا نام " ایساخر" رکھا ۔ اس کے بعد اس کا چھٹا بیٹا پیدا ہوا اس کانام " زابلون" رکھا گیا ۔ اس کے بعد اس کے ہاں ایک بیٹی " دینا" پیدا ہوئی ۔ اس طرح اس کے ہاں حضرت یعقوب کے سات بچے پیدا ہوئے اس کے بعد راخل نے اللہ سے دعا کی کہ اسے حضرت یعقوب سے ایک بیٹا عطا فرمائے ۔ اللہ نے اس کی دعا قبول کی اور اس کے ہاں حضرت یعقوب سے ایک عظیم ،معزز ا ور خوبصورت بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اس نے یوسف رکھا ۔ یہ تمام اولاد اس وقت ہوئی جب وہ لوگ " حران" کے علاقے میں رہائش پذیر تھے۔[1]

بعثت موسیٰ قرآن کی روشنی میں

بنی اسرائیل کئی صدیوں تک مصر میں انتہائی ذلت و نکبت کی زندگی بسر کر رہے تھے ۔ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان موسیٰ کو پیدا کیا ۔ ان کے ذریعے سے اس قوم کو غلامی کی حال سے باہر نکالا پھر ان پر کتاب نازل کی اور اس کے فیض سے یہی دبی ہوئی اور پسی ہوئی قوم ہدایت پاکر دنیا میں ایک نامور قوم بن گئی۔

---

1 ۔ قصص الانبیاء، ابو الفداء اسماعیل ابن کثیر، ص: ۲۷۲

حضرت موسیٰ کا نسب یوں ہے: موسیٰ بن عمان بن قاہث بن عازر بن لاوی بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام۔[1]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۡ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝٥١ وَ نَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَيْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ۝٥٢ وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ۝٥٣﴾[2]

ترجمہ: (اس قرآن میں موسیٰ کا ذکر بھی کر، جو چنا ہوا اور رسول اور نبی تھا ہم نے اسے طور کی دائیں جانب سے پکارا اور سرگوشی کرتے ہوئے اسے قریب کر لیا اور اپنی خاص مہربانی سے اس کے بھائی ہارون کو نبی بنا کر اسے عطا فرمایا)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر آپ کا ذکر فرمایا ہے۔ بعض مقامات پر اختصار کے ساتھ اور بعض مقامات پر تفصیل کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کو راہ ہدایت دکھانے کیلئے اور ظلم وستم سے روکنے کے لئے حضرت موسیٰ کو مبعوث فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿طٰسٓمّٓ ۝١ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝٢ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝٣ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَآءَهُمْ وَ يَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝٤ وَ نُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ ۝٥ۙ وَ نُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَ نُرِيَ فِرْعَوْنَ وَ هَامٰنَ وَ جُنُوْدَهُمَا

1۔ قصص الانبیاء، ابوالفداء اسماعیل ابن کثیر، ط: اولی، ج، دار الفکر، بیروت، ص: ۳۶۷

2۔ سورۃ مریم: ۵۱۔۵۳

مِنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶﴾ [1]

ترجمہ: (یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں ۔ہم آپ کے سامنے موسیٰ اور فرعون کا صحیح صحیح واقعہ بیان کرتے ہیں ان لوگوں کیلئے جو ایمان رکھتے ہیں ۔ یقیناً فرعون نے زمین میں سرکشی کر رکھی تھی ۔ اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا اور ان کی لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا اور ان کے لڑکوں کو ذبح کر ڈالتا تھا۔پھر ہم نے چاہ کہ ہم ان پر کرم فرمائیں جنہیں زمین میں بے حد کمزور کر دیا گیا تھا اور ہم انہی کو پیشوا اور وارث بنائیں اور یہ بھی کہ ہم انہیں زمین میں قدرت و اختیاردیں اور ہم فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ دکھائیں جس سے وہ ڈر رہے ہیں۔)

اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کا احوال بیان فرماتے ہیں:

﴿فَمَآ اٰمَنَ لِمُوۡسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنۡ قَوۡمِهٖ عَلٰى خَوۡفٍ مِّنۡ فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهِمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَهُمۡ ‌ؕ وَاِنَّ فِرۡعَوۡنَ لَعَالٍ فِى الۡاَرۡضِ‌ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الۡمُسۡرِفِيۡنَ ﴿۸۳﴾﴾ [2]

ترجمہ: پھر دیکھو کہ موسیٰ کو اس قوم میں سے چند نوجوانوں کے سوا کسی نے نہ مانا، فرعون کے ڈر سے اور خود اپنی قوم کے سربرآوردہ لوکوں کے ڈر سے (جن میں خوف تھا کہ فرعون ان کو عذاب میں بتلا کرے گا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ فرعون زمیں میں غلبہ رکھتا تھا اور وہ ان لوگوں میں سے تھا جو کسی حد پر رکتے نہیں ہیں۔)

اس زمانے میں حق کا ساتھ دینے اور علمبردار حق کو اپنا رہنما تسلیم کرنے کی جرات چند لڑکوں اور لڑکیوں نے تو کی مگر ماؤں اور باپوں اور قوم کے سن رسیدہ لوگوں کو اس کی توفیق نہ ہوئی ۔ ان پر مصلحت پرستی اور دنیاوی اغراض کی بندگی اور عافیت کوشی کچھ اس طرح چھائی رہی کہ وہ ایسے حق کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے جس کا رستہ ان کو خطرات سے

1۔ سورۃ القصص: ۱۔۶

2۔ سورۃ یونس: ۸۳

پر نظر آرہا تھا بلکہ وہ الٹا نوجوانوں ہی کو روکتے رہے کہ موسیٰ کے قریب نہ جاؤ ورنہ تم خود بھی فرعون کے غضب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور ہم پر آفت لاؤ گے۔

چند نوجوانوں کے علاوہ بنی اسرائیل کی پوری قوم میں سے کوئی بھی اس بات پر آمادہ نہ ہوا کہ حضرت موسیٰ کو اپنا رہبر و پیشوا مان کر ان کی پیروی اختیار کرلیتا۔ حضرت موسیٰ دو چیزوں کی دعوت لے کر فرعون کے پاس گئے تھے۔ ایک یہ کہ وہ اللہ کی بندگی قبول کرلے دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل کی قوم کو جو پہلے سے مسلمان تھی اپنے پنجہ ظلم سے رہا کر دے۔(1)

سورۃ طٰہٰ میں فرمایا:﴿إذهب إلى فرعون أنه طغى﴾

ترجمہ: فرعون کے پاس جا کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

فرعون کا ردعمل:

﴿فَلَمَّا جَآءَهُمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَّمَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿٣٦﴾﴾(2)

ترجمہ:(پھر جب موسیٰ ان لوگوں کے پاس ہماری کھلی نشانیاں لے کر پہنچے تو کہنے لگے کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر بناوٹی جادو۔ اور یہ باتیں تو ہمنے اپنے باپ دادا کے زمانے میں کبھی سنی ہی نہیں)

جب فرعون نے حضرت موسیٰ کی دعوت دین سنی تو بپھر گیا اور بولا یہ موسیٰ کون ہے جو رب العالمین کا نمائندہ بن کر آکھڑا ہوا ہے۔ اور مجھے اس طرح احکام سنا رہا ہے کہ گویا اصل فرمانروا وہ ہے۔ اور میں اس کا تابع فرمان ہوں۔ اسی بناء پر اس نے اپنے دربار کے لوگوں کو مخاطب کرکے کہا تھا:

﴿یٰقوم الیس لی ملک مصر و هذه الانهٰر تجری من تحتی﴾(3)

1۔ تفہیم القرآن: جلد دوم، ص: ۸۶

2۔ سورۃ القصص: ۳۶

3۔ سورۃ الزخرف: ۵۱

ترجمہ:۔ (اے قوم : کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے تحت جاری نہیں ہیں؟)

اور اسی بناء پر حضرت موسیٰ سے بار بار کہتا تھا:

﴿قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۷۸﴾ [1]

ترجمہ: کیا تو اس لیے آیا ہے کہ ہمیں اس طریقے سے ہٹادے جو ہمارے باپ دادا کے زمانے سے چلا آ رہا ہے اور اس ملک میں بڑائی تم دونوں بھائیوں کی ہو جائے۔

﴿اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ يُّظْهِرَ فِي الْاَرْضِ الْفَسَادَ ۝۲۶﴾ [2]

ترجمہ: (میں ڈرتا ہوں کہ یہ شخص تم لوگوں کا دین بدل ڈالے گا یا ملک میں فساد برپا کرے گا۔)

فرعون کے عہد میں بنی اسرائیل کی حیثیت محض غلاموں کی سی تھی قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

﴿وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ اَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ۝۲۲﴾ [3]

ترجمہ:(حضرت موسیٰ نے جواب دیا) رہا تیرا یہ احسان جو تو نے مجھ پر جتایا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ تو نے بنی اسرائیل کو غلام بنا لیا تھا۔

1۔ سورۃ یونس : ۷۸

2۔ سورۃ المؤمن :۲۶

3۔ سورۃ الشعراء :۲۲

یہودیوں کی مذہبی تقریبات و رسوم

قربانی:

قدیم ایام سے ہی یہودی روزانہ صبح شام سوختی قربانی دیا کرتے تھے۔ یہ ان کی عبادات کا اہم جز سمجھی جاتی تھیں ۔ چوپایوں بھیڑ بکریوں اور پرندوں میں فاختہ اور کبوتر کو ترجیح دی جاتی تھی اسرائیلی معابد میں آگ ہر وقت جلتی رہتی تھی اس آگ میں قربانی کے جانور پورے ڈال دیئے جاتے تھے ۔ لیکن اجناس کی قربانی کی صورت میں ان کا کچھ حصہ جلا دیا جاتا اور باقی حصہ پروہتوں کو دے دیا جاتا۔ سوختی قربانی ایسے موقعوں پر دی جاتی جب کہ کوئی شخص گناہ کا مرتکب ہو جانے کے بعد اس کی تلافی کرنا چاہتا تھا ۔ ان روزمرہ قربانی کے علاوہ خاص مواقع پر بھی قربانیاں دی جاتی تھیں ۔ جب نیا چاند نمودار ہوتا تو پورے خاندان کی طرف سے قربانی پیش کی جاتی ۔ قربانی کے دوران باجے بجائے جاتے اور بگل پھونکا جاتا۔ فصل کی کٹائی کا آغاز کرنے سے پہلے قربانی دی جاتی اور کٹائی کی تکمیل پر پھر قربانی دی جاتی۔

اسرائیلیوں میں سب سے اہم دن ساتویں مہینے کی دسویں تاریخ تھی اس دن قربانی کا خاصا اہتمام کیا جاتا تھا ۔ اس دن پروہت اعلیٰ معبد کے اندرونی حصے میں داخل ہوتا اور اپنے خاندان کی طرف سے قربانی پیش کرتا ۔ عوام کی طرف سے دو بکرے قربان کیے گئے۔[1]

" تكثر الأعياد عندا ليهود كثرة بالغة ، و منها ما يتصل بالأحداث التاريخية و منها ما يتصل بمواسم الزراعة والحصاد ، و منها ما يتصل بالهلال أو التوبة و التكفير عن الذنوب و قد وردت اكثر هذه الأعياد فى الأصحاح الثالث والعشرين من سفر اللاويين "[2]

زیارت بیت المقدس:

كان يتحتم على كل يهودى ذكر رشيد ان يزور بيت المقدس ۔ مرتين فى العام و أن يبقى به

---

1 ۔ اسلام اور مذاہب عالم، اسرار الرحمٰن بخاری ، ایور نیو بک پیلس ، لاہور ، ص: ۱۳۶

2 - The jewish world in time of Jesus, Guignebert Pg: 63-64

اسبوعاًكل مرة ،ويبدا الاسبوع يوم الجمعة،وتقام خلاله احتفالات يحضرها الوافدون و يقودها الكهنة و اللاويون ، و قد قصد بهذه الزيارة أن تتيح فرصة لسكان فسطين أياً كانت مناطقهم أن يتعارفوا و يتحدوا۔[1]

عیدالفصح: (Pass over)

یہودیوں کا ایک قدیم تہوار عید فصح ہے یہ تہوار یہودیوں کی مصر سے رہائی کے یاد گار کے طور پر منایا جاتا ہے۔ یہودی مصر سے نہایت عجلت سے نکلے تھے ۔ اس کی یاد میں عید فصح کے موقع پر کھانے کی ایسی چیزیں تیار کی جاتی ہیں جن سے اچانک سفر کی یاد ذہنوں میں تازہ ہو جائے جانوروں کو مسلم بھون لیا جاتا ہے۔ان کی ہڈیاں تک نہیں توڑی جاتیں ۔اور فصل تیار ہونے کی خوشی میں گیہوں کی بالیوں کا پہلا گھٹا نذر کیا جاتا تھا اس عید فصح کو منانے کے طریقے بدلتے رہے۔ یہ ۱۵نسان سے۲۲نسان تک منایا جانے لگا۔ اس دن شام کو بھیڑیں ذبح کی جاتی ہیں ۔جانور مسلم بھونے جاتے اور غیر خمیری روٹیوں سے کھائے جاتے ۔۱۵ تاریخ کو مقدس اجلاس ہوتا ۔ اس دن یہودی ہر کام سے پرہیز کرتے بعد میں اس تہوار کے موقع پر شراب کے دور بھی چلنے لگے۔

"هذا العيد هو يوم الذكرى لخروج بنى اسرائيل من مصر و من العبودية التي كانوا يخضعون لها ، ويقول علماء اليهود إن هذه الذكرىٰ لا يمكن أن تتنسىٰ فقد جاء الرب بنفسه ـ دون أن يكتفى بملائكة ـ و قاد شعبه و أخرجهم من إطار العبودية. و كان خروجهم سريعاً فلم يعدو اخبرهم كالعادة. و إنما أعدوه فطيراً دون أن يختمر ، و علىٰ هذا ففى خلال عيد الفصح الذى يستغرق الأسبوع من شهر أبيب(نيسان۔ إبريل) من اليوم الرابع عشر مساء إلى اليوم الحادى والعشرين مساء يكون طعام اليهود خبزاً غير مختمر ' و يبدأ اليوم الأول من

---

1 ـ مقارنۃالادیان، دکتور احمد شلبی، ص :۲۸۱

هذا لأسبوع بحفل مقدس و يختم الأسبوع بحفل مقدس أيضاً. و في هذين الحقين تتلى أدعية و تقام صلاة و تحرق القرابين۔ [1]

السبت

یہودیوں کا تہواروں کے سلسلے میں ان کا ہفتہ وار تہوار " سبت" خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس تقریب کا تعلق براہ راست چاند سے ہے ۔ جس کی غرض و غایت یہ تھی کہ چاند پر چوتھائی حصہ میں ایک جشن منایا جاتا ہے ۔ سبت کے موقع پر قدیم یہود تمام کاروبار سے کنارہ کش ہو جاتے جو لوگ اس کی خلاورزی کرتے ۔ ان کو سخت سزائیں دی جاتیں ۔اس دن یہودی اپنی حفاظت میں تلوار بھی نہیں اٹھا تے تھے۔جس کی وجہ سے انہیں بہت نقصان اٹھانا پڑا ۔ آگے چل کر سبت کو قربانی دینے کا طریقہ بھی جاری ہو گیا ۔ اس سلسے میں اسقدر اہتمام کیا جانے لگا کہ پروہت صبح و شام کی قربانیوں کو سبت کے دن دگنا کردیتے ۔ یہودیوں کے یہاں سبات کی گنتی بہت مقدس سمجھی جاتی تھی ۔ جس طرح ہفتے کا ساتواں دن نہایت مقدس تھا اسی طرح ساتواں مہینہ بھی بہت اہم تھا

"یوم السبت من الأیام المقدسة عند الیهود . التی تجب مراعاة حرمتها مراعاة تامة فلا یجوز لیهودی الاشتغال فیه' و من خالف حرمة هذا الیوم و دنسه بالاشتغال فیه یکون قد ارتکب جرماً عظیماً۔ ولم یکن عند الیهود خطیئته أعظم من عدم حفظ یوم السبت إلا عبادة الأوثان"[2]

یوم التکفیر

یہودیوں میں جس طرح ہفتے کا ساتواں دن نہایت مقدس ہے اسی طرح ساتواں مہینہ بھی اہم تھا ۔ جی ساتواں مہینہ شروع ہوتا تو قربانی دگنی کر دی جاتی ۔ ہر ساتویں سال زمین بلا کاشت چھوڑ دی جاتی تھی۔ خورد ونوش سے غریبوں کی شکم پری کی جاتی تھی۔ اور جوان سے بچ رہتا اس

---

1 ۔ مقارنۃ الادیان، ص :۲۸۱

2 ۔ قاموس الکتاب المقدس، جلد:۱، ص: ۵۳۷

سے جانور اپنا پیٹ بھر لیتے۔ اس سال تمام قرض معاف کر دیئے جاتے یا ان کی ادائیگی کی میعاد میں اضافہ کر دیا جاتا یہ سال کنعان میں آباد ہونے کا ہر سات سال بعد منایا جاتا۔ اس کے بعد ہر انچاسواں پچاسواں سال انتہائی اہمیت رکھتا تھا ۔اس دن جوبلی منائی جاتی اس کا آغاز کفارے کے دن بگل بجا کر کیا جاتا اس جن زمینیں اصل مالکوں کو لوٹا دی جاتیں اور غلام کی غلامی کا خاتمہ ہو جاتا۔

"هو يوم في العام يحاول فيه اليهودي أن يعبدلله. لا كإنسان بل كملاك والملاك لا يأكل ولايشرب و يمضي وقته كله في العبادة و تعظيم الله . فعلى اليهودي أن يعيش هذا اليوم كما يعيش الملائكة في صوم حاد و عبادة دائمة. و هذه اليوم يسبق بتسعة أيام التوبة. حيث يطهر اليهودي خلالها تطهيراًيكفل له النقاء خلال العام القادم .وفي اليوم العاشر يوم الصوم والعبادة تكمل طهارة اليهود و تغفرلهم سيأاتهم عن الماضي ويعدون لاستقبال عام جديد'وتقع هذه الايام في الشهر السابع من شهور السنة اليهودية۔

یوم خمس

یہودیوں کا ایک اہم تہوار خمس ہے یہ تہوار چونکہ عید فصح کے پچاسویں دن ہوتا ہے اس لیے اس نام سے موسوم ہے۔ اس موقع پر ایک دلچسپ رسم یہ ادا کی جاتی ہے کہ پروہت نئے گیہوں کی دو خمیری روٹیاں لیواہ کے سامنے لہراتا اور انہیں کھا لیتا ۔ اس وقت سات بھیڑیں یا بیل اور دو دنبے ذبح کیے جاتے۔ اس دعوت میں بیواؤں، یتیموں اور مسافروں کو خاص طور پر مدعو کیا جاتا ۔

پوریم یہ دن یہود ہامان کے ہاتھ سے بچ جانے کی خوشی میں مناتے ہیں ۔ یہ دن ۲۱ فروری کو منایا جاتا ہے۔

یوم ہاتنر موت

یہ ایک نیا تہوار ہے جو اس دن کی یاد میں منایا جاتا ہے جب موجودہ اسرائیل کی سلطنت فلسطین میں قائم ہوئی۔

عہد نامہ قدیم میں شامل کتب کا تعارف

تعریف بالعهد القدیم :۔ العهد القديم هو التسمية العلمية لاسفار اليهود و ليست التورات إلا جزاًا من العهد القديم كما سيتضح فيما بعد و قد تطلق "التوراة على الجميع من باب إطلاق الجزء على الكل ، اولاً همية التوراة و نسبتها إلى موسى لأنه ابرز زعماء بني اسرائيل ، و عنده يبدأ تاريخهم الحقيقي، و كلمة التوراة معناها الشريعة او التعاليم الدينية۔[1]

عہد قدیم میں شامل کتب کو تین اقسام میں تقسیم کیا جاتا ہے ۔

القسم الاول : "التوراۃ "پانچ کتب پر مشتمل ہے ۔

(۱)کتاب پیدائش۔ (۲) کتاب خروج۔ (۳) کتاب احبار۔ (۴) کتاب گنتی (۵)کتاب استثناء

۱۔ کتاب پیدائش: اس کتاب میں ابتدائی تاریخ اسرائیلیوں کی روایات اور کہانیاں مذکور ہیں ۔ تخلیق کائنات تخلیق آدم اور انبیائے سلام کے ضمن میں حضرت ابراہیم ، حضرت اسحاق، حضرت یعقوب، حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کاقصہ اور مصر میں انکی وفات تک کا تذکرہ موجود ہے۔

۲۔ کتاب خروج: خروج یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی باہر نکالنے کے ہیں اس سے مراد اجتماعی خروج ہے اور اس کتاب کا نام اس کے مشتمل مضمونوں کی وجہ سے ہی رکھا گیا ہے۔ اس میں عبرانی لوگوں کی مصر سے روانگی ، صحرائے سینا میں دشت نوردی صحرائے سینا میں شریعت کے عطا کیے جانے کے واقعات اور اس کے علاوہ موسیٰ کے احکام عشرہ کا تذکرہ ہے۔

۳۔ کتاب احبار : یعقوب کے ایک بیٹے کا نا م لاوی تھا اور موسیٰ کا تعلق بھی لاوی سے تھا ۔دینی کتب کا پڑھنا پڑھانا اور مذہبی فرائض کی ادائیگی انہی کے ذمہ تھی یہ کتاب بھی

---

1 ۔ مقارنۃ الادیان، دکتور احمد شلبی، ص: ۲۰۸

کے فقہی احکامات کا مجموعہ ہے اس میں قانون احکامات کی تشریح معاشرتی مسائل گناہوں کے کفارے کھانے پینے ،صفائی، طہارت اور مختلف مواقع پر جن احکامات کو ملحوظ رکھنا چاہیے ان کا تذکرہ ہے ۔ قربانی سے متعلق قوانین و ضوابط کا تذکرہ بھی اس میں موجود ہے۔

۴۔ کتاب گنتی: اس میں بنی اسرائیل کے خاندان کا شجرہ ہائے نسب و تاریخ اور حالات کا تذکرہ ہے لیکن بنی اسرائیل کے اعداد و شمار اور شجرے اس کتاب کا موضوع ہے ۔

۵۔ کتاب استثناء: اس کا مفہوم ہے کسی چیز کو دہرانا ، اس کا اعادہ کرنا ۔ اس کتاب میں دوسری اور تیسری کتاب کے قوانین کی دہرائی یا وضاحت موجود ہے۔حضرت موسیٰ کے احکام عشرہ بھی دوبارہ بیان کیے گئے ہیں ۔ نیز موسیٰ کے خطبات بھی شامل ہیں ۔ کتاب کے آخر میں موسیٰ کی وفات کا تذکرہ ہے ۔

القسم الثانی: (اسفار الانبیاء) و هی نوعان " اسفارالأنبیاء " میں شامل کتب کی دو قسمیں ہیں۔

ا۔اسفار الأنبياء المتقدمين : اس میں درج ذیل کتب شامل ہیں : یشوع (یوشع ابن نون) ۔ قضاۃ صموئیل الاول ۔صموئیل الثانی ۔ الملوک الاول ،الملوک الثانی۔

۲۔اسفار الأنبياء المتأخرين : اس میں درج ذیل کتب شامل ہیں۔ إشعیاء ،إرمیا۔ حزقیل ۔ ہوشع یوئیل ۔ عاموس ، عوبدیا ،یونان ۔ (یونس) ۔میخا ۔ ناحوم ۔ حبقوق ۔ حجیّ ۔ زکریا ۔ ملاخی ۔

القسم الثالث: (الکتابات) اس کی بھی مزید تین قسمیں ہیں

ا۔(الکتب العظیمۃ : یہ ان کتب پر مشتمل ہے۔ المزامیر (الزبور) ۔الأمثال (إمثال سلیمان) ایوب۔

۲۔المجلات الخمس : نشید الأناشید۔راعوث المراثی (میراثی إرمیا) الجامعۃ ۔استیر۔

۳۔الکتب : دانیال ۔ عزرا ۔ لحمیا ۔ اخبار الأیام الأول ۔ اخبار الأیام الثانی ۔

التلمود/ تالمود

تالمود کو یہود کے ہاں بہت اہمیت دی جاتی ہے بلکہ اس کو وحی غیر مقصود کی حیثیت حاصل ہے ۔ تالمود ان روایات کا مجموعہ ہے جو یہود کے ہاں انبیاء اور اکابر سے سینہ بسینہ علماء کاتبوں اور پھر ربیوں تک پہنچا ۔ تالمود کو عہد نامہ قدیم کے تشریحی لٹریچر کی حیثیت حاصل تھی۔

اس وقت دنیا میں یہودیوں کی تعداد تقریباً ڈیڑھ کروڑ ہے اور یہ لوگ خاص نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی نسلی خصوصیات کو بڑی سختی اور پابندی کی ساتھ قائم رکھتے ہیں حتی کہ کسی یہودی کی وہ اولاد جو کسی غیر یہودی عورت سے ہو یا یہودیہ عورت کی وہ اولاد جو غیر یہودی مرد سے ہو وہ یہودی نہیں ہو سکتا اور کوئی دوسری نسل کا مرد یا عورت ان کے مذہب

اختیار کر کے یہودی نہیں بن سکتا ۔ عام طور پر مشہور ہے کہ یہ موسیٰ کے امتی ہیں جو ان پر نازل ہونے والی کتاب توریت پر عامل ہیں لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ توریت مقدس کہیں موجود نہیں ہے اور وہ مسیح کی ولادت سے کئی سو سال پہلے ہی دنیا سے گم ہو چکی تھی ۔ اس حادثہ کے بعد جب ایک جعلی توریت بنائی تو وہ بھی مختلف حوادث میں نیست و نابود ہو گئی ۔اب جو کچھ ہے ہے اس جعلی تورات کا تیسرا یا چوتھا ترجمہ ہے۔ یہودی اس کو ترجمہ تو مانتے ہیں مگر واجب التعمیل نہیں مانتے وہ تورات کو واجب التعمیل نہیں صرف واجب التعظیم مانتے ہیں ۔ اور اب ان کا دینی اور دنیاوی دستور (تالمود) ہے ۔ تالمود عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی(سکھانا، تعلیم دینا اور تعلیم پانے کے ہیں) یہ کتاب ان احکامات و ہدایات کا مجموعہ ہے جو تورات کے احکام سے زائد ہیں اوربقول یہود نسلاً بعد نسلٍ حضرت موسیٰ سے زبانی روایات کے ذریعے پہنچی ہیں ان روایات کا درجہ خود تورات سے بھی بلند ہے یہودی علماء کا ایک طبقہ ایسا ہے جس کا کہنا ہے کہ یہ روایات ابتدائے افرینش سے موجود ہیں ان روایات کی تدوین کتابی صورت میں غزوہ کاہن کے ہاتھوں اس وقت ہوئی جب ۵۳۸ ق م میں ایرانی بادشاہ نے بابل کو فتح کیا اور یہودیوں کو پھر سے بابل میں آنے کی اجازت دی ۔

یہود سے
مکالمے کا قرآنی اسلوب

بنی اسرائیل کی اللہ کے حکم کی نافرمانی:

وَ اِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾[1]

ترجمہ:۔ پھر یاد کروجب ہم نے کہا تھا کہ " یہ بستی (جو تمہارے سامنے ہے) اس میں داخل ہو جاؤ اس کی پیداوار ، جس طرح چاہو ، مزے سے کھاؤ مگر بستی کے دروازے میں سجدہ ریز ہوتے ہوئے داخل ہونا اور کہتے جانا حطۃ حطۃ ہم تمہاری خطاؤں کو معاف کریں گے اور نیکو کاروں کو مزید فضل و کرم سے نوازیں گے۔" مگر جو بات ان سے کہی گئی تھی ۔ ظاموں نے اسے بدل کرکچھ اور کر دیا ۔ آخر کار ہم نے ظلم کرنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا یہ سزا تھی ان نافرمانیوں کی جو وہ کر رہے تھے۔

حضرت براء فرماتے ہیں سیقول السفهاء میں سفہاء یعنی بیوقوفوں سے مراد یہود ہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بات کو بدل دیا تھا۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں حطۃ کے بدلے انہوں نے **حنطة حبة حمراء فيها شعيرة** کہا تھاان کی اپنی زبان میں ان کے الفاظ یہ تھے۔ابن عباس بھی ان کی اس تبدیلی کو بیان فرماتے ہیں کہ رکوع کرنے کے بدلے وہ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حطۃ کے بدلے حنطۃ کہتے ہوئے چلے۔ یعنی جس قول و فعل کا انہیں حکم دیا گیا تھا انہوں نے اسے مذاق میں اڑایا جو صریح مخالفت اور معاندت تھی۔اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا عذاب نازل فرمایا ہے۔فرماتا ہے کہ ہم نے ظالموں پر ان کے فسق کی وجہ سے آسمانی عذاب نازل فرمایا رجز سے مراد عذاب ہے کوئی کہتا ہے غضب ہے کسی نے طاعون کہا ہے۔[2]

1۔ سورۃالبقرۃ، ۵۸۔ ۵۹

2۔ تفسیرابن کثیر، جلداول، ص:۱۴۱

یعنی حکم یہ تھا کہ جابر و ظالم فاتحوں کی طرح اکڑتے ہوئے نہ گزرنا۔ بلکہ خدا ترسوں کی طرح منکسرانہ شان سے داخل ہونا۔ جیسے حضرت محمدؐ فتح مکہ کے موقع پر مکہ میں داخل ہوئے اور حطۃ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ۔ایک یہ کہ خدا سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگتے ہوئے جانا اور دوسرا یہ لوٹ مار اور قتل عام کی بجائے بستی کے باشندوں میں درگزر اور معافی کا اعلان کرتے جانا۔

یہود کی نافرمانیاں

﴿وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰی طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآىِٕهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۗ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا یَعْتَدُوْنَ﴿۶۱﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِـِٕیْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴿۶۲﴾﴾[1]

ترجمہ:۔ (یاد کرو جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے ۔ اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار ساگ، ترکاری، کھیرا، ککڑی ، گیہوں اور لہسن پیاز دال وغیرہ پیدا کرے۔تو موسیٰ نے کہا ایک بہتر چیز کی بجائے تم ادنیٰ درجے کی چیزیں لینا چاہتے ہو ؟ اچھا کسی شہری آبادی میں جا کر رہو۔ جو کچھ تم مانگتے ہو وہاں مل جائے گا۔ آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ ذلت و خواری اور پستی و بدحالی ان پر مسلط ہو گئی اور وہ اللہ کے غضب میں گرگئے ۔ یہ نتیجہ تھا کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر

---

1 ۔ سورۃ البقرۃ : ۶۱۔۶۲

کرنے لگے۔ اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے۔ یہ نتیجہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حدود شرع سے نکل نکل جاتے ۔ یقین جانو کہ نبی عربی کو ماننے والے ہوں یہودی عیسائی ہوں یا صابی ۔ جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے ۔ اور اس کیلئے کسی خوف اور رنج کا موقع نہیں ہے

یہاں بنی اسرائیل کی بے صبری اور نعمت خدا کی نا قدری بیان ہو رہی ہے۔ کہ من وسلویٰ جیسی پاکیزہ طعام پر ان سے صبر نہ ہو سکا اور ردی چیزیں مانگنے لگے ۔ مطلب یہ ہے کہ ذلت اور مسکینی ان پر چپکا دی گئی۔ اہانت اور پستی ان پر ڈال دی گئی ۔ جزیہ ان سے وصول کیا گیا ۔ مسلمانوں کے قدموں تلے ان کو ڈالا گیا ۔ فاقہ کشی اور بھوک کی نوبت پہنچی ، خدا کا غضب اور غصہ ان پر اترا ۔ یہ تمام عذاب ان کے تکبر ، عناد ، حق کی قبولیت سے انکار ' اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر، انبیاء اور ان کے تابعداروں کی اہانت و ان کے قتل کی وجہ سے تھا۔ اس سے زیادہ برا کفر اور کون سا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں اور ان کے نبیوں کو بلا وجہ قتل کرتے ہیں ۔ کسی شخص کا کوئی طریقہ کوئی عمل مقبول نہیں تا وقتیکہ وہ شریعت محمدیہ کے مطابق نہ ہو ، مگر یہ اس وقت ہے جب کہ آپ مبعوث ہو کر دنیا میں آ گئے۔ آپؐ سے پہلے جس نبی کا جو زمانہ تھا اور جو لوگ اس زمانہ میں تھے ان کیلئے ان کے زمانے کے نبی کی تابعداری اور اس کی شریعت کے مطابق شرط ہے۔(1)

یہود کا سبت کی حرمت پامال کرنا

﴿وَ اِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ وَ رَفَعۡنَا فَوۡقَکُمُ الطُّوۡرَ ؕ خُذُوۡا مَاۤ اٰتَیۡنٰکُمۡ بِقُوَّۃٍ وَّ اذۡکُرُوۡا مَا فِیۡہِ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّیۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ ۚ فَلَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ لَکُنۡتُمۡ مِّنَ الۡخٰسِرِیۡنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِیۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡکُمۡ فِی السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَہُمۡ

1۔ تفسیر ابن کثیر، جلد اول، ص: ۱۴۲

كُونُوا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾[1]

ترجمہ : ۔ یاد کرو وہ وقت جب ہم نے طور کو تم پر اٹھا کر تم سے پختہ عہد یہ تھا کہ جو کتاب ہم تمہیں دے رہے ہیں مضبوطی کے ساتھ تھامنا اور جو احکام و ہدایات اس میں ہیں انہیں یاد رکھنا اس ذریعے سے توقع کی جاتی ہے کہ تم تقویٰ کی روش پر چل سکو گے۔ مگر اسکے بعد تم اپنے عہد سے پھر گئے اس پر بھی اللہ کے فضل اور اسکی رحمت نے تمہارا ساتھ نہ چھوڑا ورنہ تم کبھی کے تباہ ہو چکے ہوتے ۔ پھر تمہیں اپنی قوم کے ان لوگوں کا قصہ تو معلوم ہی ہے جنہوں نے سبت کا قانون توڑا ، ہم نے انہیں کہہ دیا کہ بندر بن جاؤ اور اس حال میں رہو ہر طرف سے تم پر دھتکار اور پھٹکار پڑے۔ اسی طرح ہم نے ان کے انجام کو زمانے کے لوگوں اور بعد کی آنے والی نسلوں اور ڈرنے والوں کیلئے نصیحت بنا کر چھوڑا۔)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کو ان کے عہد و پیمان یاد دلا رہا ہے ۔ کہ میری عبادت اور میرے نبی کی اطاعت کا وعدہ تم سے لے چکا ہوں اور اسی وعدہ کو پورا کرنے اور ماننے کیلئے طور پہاڑ کو تمہارے سروں پر لا کھڑا کر دیا تھا ۔ اور یہ یقین کر چکے کہ وہ اب گر کر انہیں کچل ڈالے گا۔ اس وقت ہم نے کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوط تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرو تو بچ جاؤگے۔ سبت کا دن یعنی ہفتے کا دن ۔ بنی اسرائیل کیلئے یہ قانون مقرر کیا گیا تھا کہ وہ ہفتہ کو آرام و عبادت کیلئے مخصوص رکھیں ۔ اس روز کسی قسم کا دنیاوی کام خود نہ کریں ۔ نہ اپنے خاموں سے لیں۔ اس بات میں یہاں تک تاکیدی احکام تھے کہ جو شخص اس مقدس دن کی حرمت کو توڑے وہ واجب القتل ہے۔[2]

حتیٰ کے ان کے شہروں میں کھلے بندوں سبت کے روز تجارت ہونے لگی ۔ ان کے بندر بنائے جانے کی کیفیت میں اختلاف ہے ۔ یعنی یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی جسمانی ہیئت بگاڑ کر بندروں کی سی کردی گئی تھی اور بعض اس کے یہ معنی لیتے ہیں کہ ان میں بندروں کی سی

1۔ سورۃ البقرۃ : ۶۲۔۶۳

2۔ خروج، باب :۳۱ ،آیت : ۱۶۔۱۷

صفات پیدا ہو گئی تھیں۔ لیکن قرآن کے الفاظ اور انداز سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسخ اخلاقی نہیں بلکہ جسمانی تھا۔[1]

کلام الہی میں تحریف

﴿اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ یُّؤۡمِنُوۡا لَکُمۡ وَقَدۡ کَانَ فَرِیۡقٌ مِّنۡہُمۡ یَسۡمَعُوۡنَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ یُحَرِّفُوۡنَہٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡہُ وَہُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ﴿۷۵﴾﴾[2]

ترجمہ:۔ (اے مسلمانو ، اب کیا تم ان لوگوں سے یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہاری دعوت پر ایمان لے آئیں گے ، حالانکہ ان میں سے ایک گروہ کا شیوہ یہ رہا ہے کہ اللہ کا کلام سنا اور پھر خوب سمجھ بوجھ اس میں دانستہ اس میں تحریف کی۔)

ایک گروہ سے مراد ان کے علماء اور حاملین شریعت ہیں"کلام اللہ " سے مراد تورات، زبور اور وہ دوسری کتابیں ہیں جو ان کے انبیاء کے ذریعے ان تک پہنچیں۔ " تحریف کا مطلب یہ ہے کہ بات کو اس کے اصل معنی و مفہوم سے پھیر کر اپنی خواہش کے مطابق کچھ دوسرے معنی پہنا دینا جو قائل کی منشا کے خلاف ہوں ۔ نیز الفاظ میں تغیر و تبدل کو بھی تحریف کہتے ہیں ۔ علماء بنی اسرائیل نے یہ دونوں طرح کی تحریفیں کلام الہی میں کی ہیں ۔[3]

سدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان لوگوں نے تورات میں تحریف کی تھی۔ یہ تحریف کرنے والے ان کے علماء تھے۔[4]

یعنی وہ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ آسمانی کتب میں جو پیشین گوئیاں اس نبی کے متعلق موجود ہیں ۔ جو آیات اور تعلیمات ہماری مقدس کتابوں میں ایسی ملتی ہیں جن سے ہماری موجود روش پر گرفت ہو سکتی ہے ۔انہیں مسلمانوں کے سامنے بیان نہ کرو [illegible]

1۔ تفہیم القرآن، جلد اول، ص: ۸۳

2۔سورۃ البقرۃ :۷۹

3۔ یہودیت قرآن کی روشنی میں، مولانا مودودی، ص: ۹۰

4۔ تفسیر ابن کثیر، ج:اول، ص: ۱۵۶

ان ظالموں کے فساد عقیدہ کا حال ۔ گویا وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر دنیا میں وہ اپنی تحریفات اور اپنی حق پوشی کو چھپا لیں گے تو آخرت میں ان پر مقدمہ نہ چل سکے گا۔[1]

یہ ان علماء کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے ان لوگوں نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ کلام الٰہی کو اپنی خواہشات کے مطابق بدلا ہو بلکہ یہ بھی کیاکہ بائبل میں اپنی تفسیروں کو، اپنی قومی تاریخ کو اپنے اوہام اور قیاسات کو اپنے خیالی فلسفے کو اور اپنے اجتہاد سے وضع کیے ہوئے فقہی قانون کو کلام الٰہی سے خلط ملط کر دیا اور یہ ساری چیزیں لوگوں کے سامنے اس رحثیت سے پیش کیں کہ گویا یہ سب چیزیں اللہ ہی کی طرف سے آئی ہوئی ہیں ۔ ہر تاریخی افسانہ ہر مفسر کی تاویل ہر متکلم کا الٰہیاتی عقیدہ اور فقیہ کا قانونی اجتہاد جس نے کتب مقدسہ میں جگہ پالی اللہ کا قول بن کر رہ گیا اور ان پر ایمان لانا فرض ہوگیا او اس سے پھرنے کے معنی دین سے پھرنے کے ہو گئے ۔[2]

یہاں پر یہودیوں کے علماء کی مذمت ہو رہی ہے کہ وہ اپنی باتوں کو اللہ کا کلام کہتے تھے۔ اور لوگوں کو خوش کر کے دنیا کماتے تھے ۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ تم اہل کتاب سے کچھ بھی کیوں پوچھو ؟ اللہ تعالیٰ کی تازہ کتاب تمہارے ہاتھوں میں ہے اہل کتاب نے تو کتاب اللہ میں تحریف کی ، اپنے ہا تھوں کی لکھی ہوئی باتوں کو اللہ کی طرف منسوب کر کے بتایا۔ پھر تمہیں اپنی محفوظ کتاب کو چھوڑ کر ان کی تحریف کی کیا ضرورت۔[3]

قال اللہ تعالیٰ: ﴿مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ﴾[4]

ترجمہ :۔ جو لوگ یہودی بن گئے ان میں کچھ لوگ ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں ۔

کلام اللہ میں الٹ پھیر

﴿وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ﴾

1۔ تفہیم القرآن، ج: اول، ص: ۸۸

2۔ تفہیم القرآن، ج: اول، ص: ۸۹

3۔ تفسیر ابن کثیر ج: اول، ص: ۱۵۸

4۔ سورۃ النساء: ۴۶

ترجمہ: ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب پڑھتے ہوئے اس طرح زبان کا الٹ پھیر کرتے ہیں کہ تم سمجھو جو کچھ پڑھ رہے ہیں وہ کتاب ہی کی عبارت ہے حالانکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں ہوتی)

اس کا مطلب اگرچہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کتاب الٰہی کے معنی میں تحریف کرتے ہیں یا الفاظ کا الٹ پھیر کر کے کچھ سے کچھ مطلب نکالتے ہیں لیکن اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ وہ کتاب کو پڑھتے ہوئے کسی خاص لفظ یا فقرے کو جو ان کے مفاد یا ان کے خود ساختہ عقائد و نظریات کے خلاف ہوتا ہے زبان کی گردش سے کچھ کا کچھ بنا دیتے ہیں ۔[2]

یہاں بھی یہودیوں کا ذکر ہو رہاہے کہ ان کا ایک گروہ یہ بھی کرتا ہے کہ کلام کو اس کی جگہ سے ہٹا دیتا ہے ربانی کتاب بدل دیتا ہے اصل مطلب اور صحیح معنی چھپا دیتا ہے اور جاہلوں کو اس چکر میں ڈال دیتا ہے کہ کتاب اللہ یہی ہے پھر یہ خود اپنی زبان سے بھی کتاب اللہ کہہ کر جاہلوں کے اس خیال کو اور مضبوط کر دیتے ہیں اور جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں اور جھوٹ بکتے ہیں زبان موڑنے سے مطلب تحریف کرنا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے صحیح بخاری شریف میں مروی ہے کہ یہ لوگ تحریف کرتے تھے اور ازالہ کر دیتے تھے ۔ مخلوق میں ایسا تو کوئی نہیں جو کتب اللہ کا لفظ بدل سکے ہاں یہ لوگ تحریف اور بیجا تاویل کرتے تھے۔[3]

عقیدہ آخرت میں خرابی

﴿وَاتَّقُواْ يَوْمًا لاَّ تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلاَ يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلاَ يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلاَ هُمْ يُنصَرُونَ﴾[4]

1۔ سورۃ آل عمران: ۷۸

2۔ تفہیم القرآن، ج: اول، ص: ۲۶۷

3۔ تفسیر ابن کثیر، ج: اول، ص: ۴۵۸

4۔ سورۃ بقرۃ: ۴۸

ترجمہ: اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا۔ نہ کسی کی سفارش سے سفارش قبول ہو گی۔ نہ کسی کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا اور نہ مجرموں کو کہیں سے مدد مل سکے گی۔

بنی اسرائیل کے بگاڑ کے ایک بہت بڑی وجہ یہ تھی کہ آخرت کے متعلق ان کے عقیدے میں خرابی آ گئی تھی کہ وہ اسی قسم کے خیالات خام میں مبتلا ہو گئے تھے کہ ہم جلیل القدر انبیاء کی اولاد ہیں بڑے بڑے اولیاء صلحاء اور زہاد سے نسبت رکھتے ہیں۔ ہماری بخشش تو انہی بزرگوں کے صدقے میں ہو جائے گی۔ ان کے دامن گرفتہ ہو کر بھلا کوئی سزا کیسے پا سکتا ہے۔ انہیں جھوٹے بھروسوں نے انہیں دین سے غافل اور گناہوں کے چکر میں مبتلا کر دیا تھا [1]۔

مطلب یہ ہے کہ ایمان کے بغیر صرف سفارش اور شفاعت کا آسرا بیکار محض ہے [2]

قرآن کریم میں ہے ﴿لَا بَيۡعٌ فِيۡهِ وَلَا خِلٰلٌ﴾ [3]

ترجمہ:۔ اس دن سے پہلے نیکیاں کر لو جس دن نہ خرید و فروخت ہو گی نہ دوستی (نہ شفاعت) کیونکہ قیامت کے دن ہر شخص فرداً فرداً اپنے اعمال کا صلہ پائے گا۔ وہاں حسب قانون عمومی پر ہو گا۔ ہر کوئی صرف اپنے کیے کا جوابدہ ہوگا کوئی شخص کسی کے کام نہ آ سکے گا [4]

بد عملی کے باوجود اخروی کامرانی کا عقیدہ

﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ يَشۡتَرُوۡنَ بِعَهۡدِ اللّٰهِ وَاَيۡمَانِهِمۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنۡظُرُ اِلَيۡهِمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيۡهِمۡ ۖ وَلَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ﴾ [5]

1۔ تفہیم القرآن، ج: اول، ص: ۷۴-۷۵

2۔ تفسیر ابن کثیر، ج: اول، ص: ۱۳۲

3۔ سورۃ ابراہیم: ۳۱

4۔ فی ظلال القرآن، ج: اول، ص: ۱۰۰

5۔ سورۃ آل عمران: ۷۷

ترجمہ:۔ جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں ان کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۔ اللہ قیامت کے روز نہ ان سے بات کرے گا اور نہ ان کی طرف دیکھے گا ، نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کیلئے تو سخت درد ناک سزا ہے ۔

یہ لوگ ایسے سخت اخلاقی جرائم کرنے کے بعد بھی اپنی جگہ یہ سمجھتے ہیں کہ قیامت کے روز بس یہی اللہ کے مقرب بندے ہوں گے۔ انہی کی طرف نظرِ عنایت ہوگی اور جو تھوڑا بہت گناہوں کا میل ان کو دینا میں لگ گیا ہے وہ بھی بزرگوں کے صدقے میں دھو دیاجائے گا ۔ حالانکہ در اصل وہاں ان کے ساتھ بالکل برعکس معاملہ ہوگا ۔ یعنی جو لوگ کتاب اللہ تعالیٰ کے عہد کا پاس نہیں کرتے نہ ہی حضورؐ کی اتباع کرتے ہیں نہ آپ کی صفتوں کا ذکر لوگوں سے کرتے ہیں ۔ نہ آپؐ کے متعلق بیان کرتے ہیں اور اسی طرح جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ان بدکاریوں سے وہ اس ذلیل اور فانی دنیاکا فائدہ حاصل کرتے ہیں ان کیلئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ۔ نہ ان سے اللہ تعالیٰ موئی پیار محبت کی بات کرےگا ورنہ ان پررحمت کی نظر ڈالے گا نہ انہیں گناہوں سے پاک صاف کرے گا۔ بلکہ انہیں جہنم میں داخل کرنے کا حکم دے گا ۔ اوروہاں وہ دردناک سزائیں بھگتتے رہیں گے۔[1]

یہود کا کتاب اللہ کے بعض حصوں پر ایمان اور بعض سے کفر

﴿ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ ۖ فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿۸۶﴾ ﴾[2]

1۔ تفسیر ابن کثیر، ج :اول ، ص :۴۵۶

2- سورۃالبقرۃ :۸۵۔۸۶

ترجمہ:تو کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو ؟پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اسکے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو - یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت بیچ کر دنیا کی زندگی خریدی ہے لہٰذا ان کی سزا میں نہ کوئی تخفیف ہو گی اور نہ انہیں کوئی مدد پہنچ سکے گی۔

غرض آیات میں یہود یوں کی مذمت ہے کہ وہ احکام خدا کو جانتے ہوئے بھی پس پشت ڈال دیا کرتے تھے امانت داری اور ایمانداری ان سے اٹھ چکی تھی نبی ﷺ کی صفتیں آپ کی نشانیاں آپ ﷺ کی تصدیق ،آپ کی جائے پیدائش ،جائے ہجرت وغیرہ سب چیزیں ان کی کتاب میں موجود تھیں لیکن یہ ان سب کو چھپائے ہوئے تھے اور نہ ہی نہیں بلکہ حضور ﷺ کی مخالفت کرتے تھے اسی باعث ان پر دنیوی رسوائی آئی اور کو نہ ہونے والے اور ہمیشگی والے اخروی عذاب بھی۔[1]

ان آیات میں یہود کی جس حرکت کی طرف اشارہ ہے وہ واقعہ ہے جو عہد رسالت سے کچھ زمانہ پہلے اوس و خزرج کی جنگوں میں پیش آچکا تھا اوس و خزرج مشرکین عرب کے دو قبیلے تھے اور ان کے درمیا ن ایسی شدید دشمنی تھی جس کی مثال پورے عرب قبائل میں نہ تھی یثرب میں یہودیوں کے بھی تین قبائل تھے جن میں سے بعض ایک قبیلے اور بعض دوسرے قبیلے کے حلیف ہوتے تھے جب ان دو قبائل کے درمیان جنگ ہوتی تو ان کے یہودی حلیف بھی جنگ میں شریک ہوتے اسطرح بعض وقات ایک یہودی مد مقابل کے حلیف دوسرے یہودی کو قتل کرتا اور اللہ کے ساتھ انہوں نے جو پختہ عہد باندھا تھا یہ اس کے سراسر خلاف تھا جب ایک قبیلے کا حلیف غالب آتا تو خود بنی اسرائیل ،بنی اسرائیل کو لوٹتے انہیں گھروں سے نکالتے ان کی عورتوں کو غلام بناتے حالانکہ میثاق کی نص کی رو سے یہ حرکت ان پر حرام تھی لیکن جب جنگ ختم ہو جاتی تو

1- تفسیر ابن کثیر ،ج:اول ،ص: ۱۶۴

پھر یہ غالب یہودی مد مقابل کے مغلوب یہودیوں کا فدیہ دیتے انہیں قید و غلامی سے رہائی دلاتے جہاں جہاں بھی وہ قید ہوتے خواہ اپنے کیمپ میں ہوتے یا مخالفین کے کیمپ میں ہوتے اور یہ کام وہ تورات کے اس حکم پر عمل کرتے تھے جس میں کہا گیا تھا تجھے بنی اسرائیل کا جو شخص غلام ملے اسے خریدو اور رہا کرو"

یہ تھا ان کی زندگی کا اہم تضاد اور اسے ان کے سامنے رکھ کر قرآن کریم ان سے پوچھتا ہے : "اِفتؤمنون ببعض الکتب و تکفرون ببعض"(1)

کتمان الحق:

الکتمان هو ستر الشئ واخفاؤه وعدم إعلانه(2)

یہود کی ایک انتہائی بری خصلت یہ تھی کہ وہ حق کو چھپاتے تھے اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی اس بات کو ظاہر نہیں کرتے تھے اور اللہ کی ان کی اس خصلت پر قرآن میں یہود کو ٹوکا ہے اور فرمایا

﴿وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾﴾[3]

ترجمہ:ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تمہیں کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانا ہوگا انہیں پوشیدہ نہیں رکھنا ہو گا مگر انہوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا کتنا برا کاروبار ہے جو یہ کر رہے ہیں۔

قال ابن عباس :هي لليهود أخذ عليهم العهد والميثاق في أمر رسول الله ﷺ فكتموه ونبذوه أي العلامات المبينة لصحة ما جاء به محمد ﷺ (والنبذ وراء الظهر مثل في الطرح وترك الاعتداد ونقيضه جعله نصب عينيه(1)

1- فی ظلال القرآن ،ج : اول ،ص :۱۳۰

2- لسان العرب ،ج :دوم ،ص :۵۰۶___ المعجم الوسیط ،ج :دوم ،ص ۷۸۶ ایضاً

3- سورة آل عمران : ۱۸۷

اس آیت میں اہل کتاب خصوصاً یہودیوں کے اس قول اور فعل کو ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ممتاز ترین کردار ان کا یہ بیان ہوا کہ ان لوگوں کو یہ عادت رہی ہے کہ یہ حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ ان کو یہ اچھی طرح پتہ ہوتا ہے کہ یہ حق ہے پھر بھی یہ اس حق کو باطل کے ساتھ ملاتے ہیں

الصد عن سبیل اللہ

قرآن کریم نے عبارۃ الصد عن سبیل اللہ استعمال کی ہے اور یہ ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

"الصد أو الصدود: والصد بمعنى الصرف أو المنع كما تقول: صده عن الأمر أي منعه وصرفه عن ذلك الأمر، وعلى ذلك قوله تعالى ﴿وزين لهم الشيطان أعمالهم فصدهم عن السبيل﴾ أي أن الشيطان حال بينهم وبين سبيل الهداية. وأما الصدود فهو الاعراض والامتناع وهو تابع من نفس الشخص وذلك نحو قوله تعالى ﴿يصدون عنك صدودا﴾ [2]

قال اللہ تعالیٰ: ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾﴾ [3]

ترجمہ: غرض ان یہودی بن جانے والوں کے اسی ظالمانہ رویے کی بنا پر اور اس بنا پر کہ یہ بکثرت اللہ کے راستے سے روکتے ہیں ۔

یعنی صرف اسی پر اکتفاء نہیں کرتے کہ خود اللہ کے راستے سے منحرف ہیں بلکہ اس قدر بے باک مجرم بن چکے ہیں کہ دنیا میں خدا کے بندوں کو گمراہ کرنے کے لیے جو تحریک بھی اٹھتی ہے اکثر اس کے پیچھے یہودی دماغ اور یہودی سرمایہ ہی کام کرتا نظر آتا ہے ۔

1- تفسیر الکشاف للزمخشری: ج: 1، ص: ۴۵

2- لسان العرب، ج: اول، ص: ۲۹۷

---المفردات للاصفھانی، ص: ۲۷۵-۲۷۶ ایضاً

3- سورۃ النساء: ۱۶۰

راہ حق کی طرف بلانے کے لیے جو تحریک بھی شروع ہوتی ہے اکثر اس کے مقابلہ میں یہودی ہی سب سے بڑھ کر مزاحم بنتے ہیں۔[1]

اس آیت کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ اللہ کی راہ میں سے لوگوں کو روکنے کے سوا ان کا اور کوئی کام ہی نہیں گویا وہ رات دن اسی کام میں لگے ہوئے ہیں ۔[2]

دوسری جگہ اللہ تعالی فرماتے ہیں :

﴿إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١٦٧﴾﴾[3]

ترجمہ: جو لوگ اسکو ماننے سے خود انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو خدا کے راستے سے روکتے ہیں وہ یقیناً گمراہی میں حق سے بہت دور نکل گئے ہیں ۔

جن لوگوں نے کفر کیا حق کی اتباع نہ کی اور لوگوں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے یہ صحیح راہ سے ہٹ گئے ہیں اور حقیقت سے الگ ہو گئے ہیں اور ہدایت کو کھو بیٹھے ہیں یہ لوگ جو ہماری آیتوں کے منکر ہیں ہماری کتاب کونہیں مانتے اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں ہماری راہ سے روکتے اور رکتے ہیں ہمارے منع کردہ کاموں کو کر رہے ہیں ہمارے احکام سے روگردان ہیں انہیں ہم نہ بخشیں گے اور نہ خیرو بھلائی کی طرف ان کی راہنمائی کریں گے۔[4]

وهم يمنعون أهل دينهم وملتهم من الدخول فى الإسلام واتباع محمد۔ ويزيدون على ذلك بمحاولة صرف المسلمين عن الإسلام وإغرائهم بالدخول فى دينهم، وهم ينشؤون المدارس التى يلقنون فيها الاطفال العقائد الفاسدة البعيدة عن الحق والصدق، وهم يطعنون فى النبى وصدق رسالته وفى القرآن الكريم فهم بدل أن يواجهوا الناس إلى الحق والخير والهداية والنور يظلمونهم ويخدعونهم۔[5]

1۔ تفہیم القرآن، ج : اول، ص: ۴۲۲

2۔ فی ظلال القرآن، ج : دوم، ص :۳۴۲

3۔ سورۃالنساء :۱۶۷

4۔ تفسیر ابن کثیر، ج : اول، ص: ۷۴۰

5۔ تفسیر المنار لرضا، ج: اول، ص: ۴۵۱،

قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَشَاقُّوا الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَىٰ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ ﴿٣٢﴾﴾[1]

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور رسول سے جھگڑا کیا جبکہ ان پر راہ راست واضح ہو چکی تھی در حقیقت وہ اللہ کا کوئی نقصان بھی نہیں کر سکتے جبکہ اللہ ہی ان کا سب کیا کرایا غارت کر دے گا۔

أي من اليهود من آمن بمحمد ۔ صلى الله عليه وسلم ۔ ومنهم من أعرض عنه بل وصرف الآخرين عن الإيمان به بطرقهم الخبيثة، وهذا ماقال به مجاهد . وقد توعدهم الله بجهنم لقاء كفرهم وتكذيبهم النبي ۔ صلى الله عليه وسلم ۔ وابتعادهم عن الهداية[2]

اتباع الھوی

يطلق الهوى على ميل النفس إلى الشهوة .قال الله تعالى (أفرأيت من اتخذ إلهه هواه)[3]

قرطبی اپنی تفسیر میں اسکی تعریف یوں بیان کرتے ہیں: "يسمى الهوى هوى لأنه يهوي بصاحبه إلى النار .ولذلك لا يستعمل إلا فيما ليس بحق ،وفيما لا خير فيه"۔[4]

قال اللہ تعالیٰ:

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿٨٧﴾﴾[5]

۔۔۔ تفسیر القرطبی، ج: ۸، ص: ۱۲۳ ایضاً

1۔ سورۃ محمد: ۳۲

2۔ تفسیر المنار لرضا، ج: ۵، ص: ۱۶۲

3۔ المعجم الوسیط، ج: دوم، ص: 1001

4۔ تفسیر القرطبی، ج: دوم، ص: ۲۵

5۔ سورۃ البقرۃ: ۸۷

ترجمہ: ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے آخر کار عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں دے کر بھیجا اور روح پاک سے اس کی مدد کی پھر یہ تمہارا کیا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا تو تم نے اس کے مقابلے میں سرکشی ہی کی کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا۔

اسی طرح دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٥﴾﴾[1]

ترجمہ: اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

وحتی لو أقام النبیﷺ کل دلیل علی صحة ما جاءهم به لما تخلوا عن شبهاتهم وأهوائهم وبعد ذلك يحذر الله سبحانه و تعالی نبيه الكريم من محاولة المسلمين استمالة هولآء الناس فتلك هي طبائعهم والحق قوي بذاته وغني بمن ثبت عليه۔[2]

1۔ سورۃ البقرۃ: ۱۴۵

2۔ تفسیر المنار، رشید رضا، ج: ۱، ص: ۱۷۷

۔۔۔الظلال لسید قطب، ج: ۱، ص: ۸۸ ایضاً

مشرکین سے
مکالمہ کا قرآنی اسلوب

شرک کی حقیقت

شرک کی تعریف:

(ا) لغوی تعریف:

شرك : النصيب، أ شراك واعتقاد تعدد آلهة

وأشركه: في امره أدخل فيه ويقال أ شرك بالله جعل له شريكا في ملكه رفي التنزيل العزيز[1]

شرك : بينهم جعلهم شركاء والنعل اشركها

شرک کے معنی ہیں ساجھی بنانا، خاص کر خدا کے ساتھ کسی کو ساجھی قرار دینا۔ [2]

الشرک والمشارکۃ کے معنی دو ملکیتوں کو باہم ملا دینے کے ہیں یا ایک چیز میں دو یا دو سے زیادہ آدمیوں کے شریک ہونے کے ہیں۔ خواہ مادی یا معنوی ہو۔ [3]

(۲) اصطلاحی معنی:

"خدا کی ذات یا اسکی صفات میں جس مفہوم میں وہ خدا کے لیے مستعمل ہیں یا اسکے حقوق ہیں کسی کو ساجھی ٹھہرانا" شرک کہلاتا ہے۔

یا یوں کہ:

"خدا کے ساتھ ساتھ کسی اور کی بھی ایسی تکریم کرنا جسکی حقدار صرف خدا کی ذات ہے یعنی کئی خداؤں کو ماننا۔" [4]

---

(1) المعجم الوسیط، ابراھیم مصطفیٰ، دار النشر، ج:ا، ص:۴۸۵۔

(2) دائرۃ المعارف اسلامیہ، السری بن الحکم - شیاذ حمزہ، ج:اا، طبع اول، لاہور، ۱۹۷۵، ص: ۶۸۳۔

(3) مفردات قرآنی، امام راغب اصفہانی، مترجم: محمد عبدہٗ اسلامی اکادمی، لاہور، ج: اول، ص: ۵۶۵۔

(4) دائرۃ المعارف اسلامیہ، ج:اا، ص: ۶۸۳۔

شرک کے معنی دو ملکیتوں کو باہم ملادینے کے ہیں ایک چیز میں دو یا دو سے زیادہ چیزوں کے شریک ہونے کے ہیں، خواہ وہ چیز مادی ہو یا معنوی۔ [1]

شَرَكْتُهُ وَشَارَكْتَهُ وَتَشَارَكُوا اور إِشْتَرَكُوا کے معنی باہم شریک ہونے کے ہیں۔

قرآن مجید نے بڑی سختی سے شرک کی مذمت کی ہے اور مشرک کے لیے سخت [illegible] ہے۔ شرک کو سب سے بڑا اور قبیح گناہ قرار دیا ہے اسکا باعث یہ ہے کہ قرآن مجید نے توحید کو اسلام کی اور جملہ نیکیوں کی بنیاد قرار دیا ہے۔ بنا بریں جو امر توحید کے عقیدے میں ضعف پیدا کرتا ہے وہ اسلام کی اصل الاصول (توحید) کے لیے قاطع اور مہلک ہے۔ شرک توحید کی ضد کامل ہے اس لیے اسکی مذمت و عقوبت بھی زیادہ بیان کی گئی ہے، کیونکہ شرک کے بعد اسلام رہتا ہی نہیں۔ اور دین کی جملہ مصلحتوں اور نیکیوں کی جڑ کٹ جاتی ہے ۔ اور شرک کی بحث توحید کی بحث کے بغیر سمجھ میں آہی نہیں سکتی۔ اس لیے خدا کی خدائی میں گہرا اعتقاد رکھنے کے لحاظ سے توحید کی حکمتوں اور فضیلتوں کا جاننا ضروری ہے۔ تاکہ یہ سمجھ میں آجائے کہ عقیدہ توحید کے انکار یا اس میں ضعف آجانے سے انسان کیسے ہولناک ذہنی، نفسیاتی، اجتماعی، اخلاقی اور معاشرتی مہالک وخطرات سے دوچار ہوجاتا ہے۔

یہ صرف افراد ہی کے لیے بنیادی معاون عقیدہ نہیں بلکہ اقوام و ملل کی تاریخ گواہ ہے کہ توحید کو نہ ماننے سے اقوام پر کسطرح کی تباہی آئی اور تہذیبیں اور معاشرتیں کسطرح تباہ و برباد ہوئیں۔ توحید اور شرک محض داخلی عقیدے نہیں۔ نفس انسانی کی سب سے بڑی کمزوری خوف اور وھم ہے اور اسکے خلاف توحید ایک نہایت مضبوط ہتھیار ہے۔ باطنی تکمیل کے سلسلے میں موثر کردار ادا کرنے کے علاوہ توحید خارجی طور پر بھی ایک اہم کردار ساز عقیدہ ہے۔ اس سے اوہام و شکوک کے ضعف انگیز اور یاس آفریں اثرات کو دور کیا جاسکتا ہے۔ توحید یقین آفریں عقیدہ ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی حقیقت کو کھول کر بیان کیا اور انسان کو اس سے بچنے کی تاکید کی۔

سوء معرفت کے باب میں ایک لاعلاج اور مزمن بیماری جس کی ہلاکت آفرینیوں میں دنیا کی تقریبًا ہر قوم مبتلا رہتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ عالم ناسوت کے مادی اشیاء میں سے کسی شے کو شریک ٹھرانا ہے یہی شرک کی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس کو مادیت کے مشابہ

---

(1) مفردات قرآنی، ج: اول، ص: ۵۶۵۔

سمجھا جائے۔[1]

شرک کے اسباب:

یہ بھی نفس ھوائی یا نسمہ کی فطرت میں سے ہے کہ وہ حقائق اشیاء کے دریافت کرنے میں لگا رہتا ہے اور ہر ایک چیز کے امتیازات اور خواص معلوم کرتا رہتا ہے اور ہر ایک چیز میں قوت علمیہ و دیعیت رکھی گئی ہے اب اگر اسے کوئی خارق عادت عجیب وغریب تاثیر نظر آئے جسکی معقول توجیہ کرنے سے اسکی عقل عاجز ہے تو جس سے وہ صادر ہوئی ہے اس کے حق میں وہ غیر معمولی شرف اور عظمت کا اعتقاد قائم کرلیتا ہے اور اس ہستی سے اس کو زبردست وابستگی اور محبت پیدا ہوجاتی ہے اور اس اعتماد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر وہ اس قسم کے خوارق کا اپنے جیسے شخص سے صادر ہونا بعید یا ناممکن خیال کرتا ہے تو اسکے نتیجے میں اس مظہر کے شرف، تقدس اور غیر متناہی فضیلت کا عقیدہ اور اس کے ساتھ کامل محبت خود بخود وجود میں آتے ہیں۔ اور جب وہ خارق یا خوارق بار بار اس مظہر سے صادر ہوں یا وہ ان کی یاد بار بار تازہ کرنے کی محنت اٹھاتا ہے تو وہ محبت اور تعظیم جو اس نے اس مظہر کو خدا کے ساتھ وابستہ کرکے اسکے ساتھ قائم کی تھی اسکے دل میں راسخ ہوجاتی ہے۔ (اور وہ اس ہستی سے وہی سلوک کرنے لگتا ہے جو ذات قدرت کے لائق اور شایان شان ہوتا ہے) اسطرح نادانستہ طور پر شرک باللہ اسکے عقیدے اور رگ و پے میں سرایت کرجاتا ہے۔[2]

انسان فطرۃ توھم پرست ہے، اسی وجہ سے وہ بہت جلد خوف غیر اللہ میں مبتلا ہوجاتا ہے، غیر اللہ کی سہارے ڈھونڈنے لگتا ہے اسی وجہ سے غیر اللہ سے تمسک و توسل کی راہیں تلاش کرتا ہے اور شرک کی بہت سی اقسام کا شکار ہوجاتا ہے، شرک یعنی خدا کی ذات اور صفات میں کسی اور کو ساجھی بنانا۔ انسان کی جبلی و نفسیاتی کمزوری (خوف اور وھم) کا نتیجہ بھی ہے۔ شرک نے انسانی امید اور قوت عمل کو ضعیف کردیتا ہے اور وہ ایسی چیزوں پر بھروسا کرنے لگتا ہے جو خود کمزور، ضعیف اور بے بس ہیں۔

---

(1) البدور البازغہ، شاہ ولی اللہ، مترجم قاضی مجیب الرحمٰن، وزارت مذہبی امور، اسلام آباد، ص: ۳۱۳۔

(2) البدور البازغہ، شاہ ولی اللہ، ص: ۳۱۸۔

شرک میں مبتلا ہونے کا ایک سبب شاہ ولی اللہ یہ بیان کرتے ہیں۔ جب رسول اللہ کے حواری اور صحابہ اور ان کے حاملین دین کا زمانہ ختم ہوگیا اور ان کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضایع کردیا اور خواہشوں کی پیروی کی اور مستعمل اور متشابہ الفاظ کی بے جا معنی بنالیے۔ جیسے کہ محبوبیت اور شفاعت۔۔۔۔۔ اس مرض میں لوگ کئی طرح سے گرفتار ہوتے ہیں بعض اللہ کی بزرگی کو بالکل بھول جاتے ہیں اور صرف شرکاء کی ہی عبادت کرتے ہیں۔ اور اپنی حاجتوں کو انہیں سے مانگتے ہیں اللہ کی طرف بالکل متوجہ نہیں ہوتے اور بعض لوگوں کا اعتقاد ہوتا ہے کہ سردار اور مدبر تو اللہ ہے لیکن وہ کبھی کبھی اپنے بندوں کو بزرگی و معبودیت کا خلعت پہنا دیتا ہے اور بعض خاص کاموں کا ان کو اختیار مل جاتا ہے وہ ان کی سفارش کو قبول کرتا ہے۔[1]

اسی طرح شرک کے بیان میں ایک دوسری جگہ شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

"اعلم ان الکفار الذین خاصھم اللہ تعالی فی کتابہ صنفان الاول مشرکون و کانوا یشرکون الاصنام فی العبادۃ وطلب الحوائج والذبح والدعاء مع اللہ والنذور والایمان واصل ضلالھم ھذا ان آبائھم لحقوا ببعض المقربین من الناس والملائکۃ ورأو منھم التأثیر وعلموا انھم احیاء واجب التعظیم وان اللہ سبحانہٗ لایقترب منہ ولا بواسطتھم۔" [2]

شرک کی اقسام

امام ابن قیم جوزیۃ کے نزدیک شرک کی دو بڑی اقسام ہیں:

۱۔ شرک اکبر ۲۔ شرک اصغر

"اما الشرک ، فھو نوعان: أکبر وأصغر ۔ فالأ کبر: لایغفرہ اللہ الا بالتوبۃمنہ وأما الشرک الأصغر: فکیسیر الریاء، والتضع للخلق والحلف بغیر اللہ۔"[3]

---

(1) حجۃ اللہ البالغۃ، شاہ ولی اللہ، مترجم خلیل بن احمد بن سراج، مکتبۃ رحمانیۃ، لاہور، ص: ۱۱۳۔

(2) الخیر الکثیر، شاہ ولی اللہ، مکتبۃ رحیمیۃ، اکوڑہ خٹک، پشاور، ص: ۱۸۵۔

(3) مدارج السالکین، ابن قیم جوزیۃ، دارالکتاب العربی بیروت، لبنان، (۱۹۷۲)، ج:۱، ص: ۳۳۹۔

شرک اکبر کو خدا معاف نہیں کرتا، لیکن شرک اصغر کے بارے میں گنجائش ہے۔ لیکن
شرک اصغر کی جزئیات بہت ہیں۔ شرک اکبر یہ ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک بنایا
اور اس سے ایسی ہی محبت کرنا جیسی کہ اللہ تعالیٰ سے کی جاتی ہے۔ اور ان کو اللہ کے برابر سمجھنا
۔ اور ان کو اللہ سے حاجت مانگنے کا ذریعہ بنانا اور اسکے حضور شفاعت کا ذریعہ سمجھنا۔

مثلاً: تضع للخلق، ریاء اور حلف بغیر اللہ بھی شرک اصغر ہیں اسی طرح مرید کا شیخ کے سامنے
یا پیر کے لیے سجدہ کرنا، اسی طرح بعض لوگوں کا ملاقات کے وقت جھکنا اسی طرح اللہ کے سوا
کسی اور سے خوفزدہ ہونا کسی اور پر توکل اور کسی اور سے رزق طلب کرنا مردوں سے حاجتیں
طلب کرنا۔

ومن أنواعه: النذر لغير الله، الخوف من غير الله، التوكل على غير الله،
والعمل لغير الله، والانابة والخضوع، والذل لغير الله، وابتغاء الرزق من عند غيره
وحمد غيره على ما اعطى، والغنية بذالک عن حمده وسبحانه، الذم والسخط على ما لم
يقسمه، ولم يجربه القدر، واضافة نعمه الى غيره، واعتقاد ان يكون في الكون ما
لايشاءه". [1]

شرک اکبر یا شرک عظیم، جو شرک جلی یا کھلا ہوا شرک ہے اور شرک اصغر یہ شرک
خفی ہے جو ایسے طریقے سے انسان کے اندر داخل ہوتا ہے کہ پتہ تک نہیں چلتا مثلاً کسی کام
میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کو بھی ملحوظ خاطر رکھا جائے تاکہ وہ خوش ہو یہ ریا ہے جو
شرک خفی ہے۔

شرک عظیم کی ایک صورت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں شرک ہے یعنی کسی مخلوق کو پورا یا
ادھورا خدا سمجھنا۔ مثلا: مجوس کا عقیدہ تھا کہ خیر یعنی نیکی کا خالق تو خدا ہے جسے وہ "یزدان" کہتے
تھے اور شر یعنی برائی، تکالیف اور مصائب اور ظلمت کا خالق کوئی اور یعنی شیطان جسکو وہ "اہرمن"
کہتے تھے۔[2]

---

(1) مدارج السالکین، ابن قیم جوزیہ، ص: ۳۴۵---۳۴۶۔

(2) دائرۃ المعارف اسلامیہ، السری بن الحکم، شیاد حمزہ، ط: اولی، لاہور، (۱۹۸۸م)، بذیل مادہ شرک ص ۱۶۰۔

جس طرح یونان کے فلاسفہ اور ہندوستان کے ہندو تمام کائنات پر پورا تصرف عقول [illegible] مادہ، عناصر، کواکب وغیر کا مانتے تھے وہ ان چیزوں کی پرستش، ان کے مجسمے بنا کر کیا کرتے تھے ان کے نام کی منتیں مانتے تھے۔

خدا کی ذات میں شریک کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کو کسی سے یا کسی کو خدا سے قرار دینا، کسی کو اسکی ذات برادری سمجھنا، کسی کو اسکا باپ یا بیٹا کہنا، مثلاً عیسائیوں کا یہ عقیدہ کہ مسیح خدا کے جوہر سے ہیں، یا خدا نے ان کو جنا ہے، یا حضرت مریم خدا کی ماں ہیں یا عربوں کا یہ عقیدہ کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں یہ ساری باتیں خدا کے قدیم اور ازلی واحد ہونے اور ان تمام صفات کمال کے منافی ہیں، جنکا ماننا عقل، فطرت اور مذہب کی رو سے لازم ہے یہ شرک فی الذات ہے۔

شرک فی الصفات:

شرک فی الصفات یہ ہے کہ جو صفات کمال خدا کے لیے مخصوص ہیں مثلاً: خلق، تدبیر، قدرت، علم، حکمت وغیرہ، ان میں کسی کو ساجھی قرار دینا، اور انسان کے لیے بھی وہ صفات [illegible] جائیں جو کہ صرف خدا کے لیے مخصوص ہیں۔

شرک فی الحقوق:

حقوق میں شریک کرنے کا مفہوم یہ ہے کے خدا کی صفات کمال سے جو باتیں لازم آتی ہیں یا جو حقوق ہم پر عائد ہوتے ہیں ان میں کسی کو شریک ٹھہرانا مثلاً خدا خالق ہے اس سے لازم آتا ہے کہ تمام عالم میں حکم و انتظام اسی کا ہو اب اگر ہم یہ تو مانیں کہ آسمان و زمین کا خالق خدا ہے لیکن ساتھ ہی یہ مان لیں کہ انکا انتظام خدا کے سوا کسی اور کے ہاتھ میں ہے تو یہ شرک فی الحقوق ہوگا کیونکہ جب تمام کائنات کی تدبیر امر اسی کے ہاتھ میں ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ بندگی صرف اسی کی کی جائے۔ اطاعت خالص اسی کی ہو۔

چنانچہ اسی بنیاد پر قرآن نے یہ مطالبہ کیا ہے۔

﴿وَ مَآ اُمِرُوۡۤا اِلَّا لِيَعۡبُدُوا اللّٰهَ مُخۡلِصِيۡنَ لَهُ الدِّيۡنَ ۬ۙ﴾ [1]

ترجمہ: (ان کو حکم یہی ہوا تھا کہ وہ اللہ ہی کی بندگی کریں، اسی کی خالص اطاعت کرتے ہوئے)

مشرکین کا شرک

مشرکین عرب نہ تو خدا کے منکر تھے اور نہ وہ خدا کی بنیادی صفات میں سے کسی صفت کے منکر تھے وہ زمین و آسمان، سورج اور چاند اور ابر و ہوا کا خالق خدا ہی کو مانتے تھے، زندگی بخشنے والا، روزی دینے والا اور زندگی لینے والا اسی کو کہتے تھے۔ اپنی تمام قوتوں اور قابلیتوں کو اسی کا عطیہ جانتے تھے اس کائنات کا انتظام وانصرام اسی کے دست تصرف میں سمجھتے تھے۔ لیکن ساتھ ہی بعض ایسی باتیں بھی مانتے اور کرتے تھے جن سے یا تو خدا کی صفتوں اور ان کی مقتضیات کا انکار لازم آتا تھا جو کفر ہے یا خدا کی صفات اور اسکے حقوق میں دوسرے کی حصہ داری لازم آتی تھی جو شرک ہے۔ قرآن مجید نے ان کے اس تناقص پر ان کو جگہ جگہ متنبہ کیا ہے۔

مثلا اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿قُلۡ مَنۡ يَّرۡزُقُكُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ اَمَّنۡ يَّمۡلِكُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَمَنۡ يُّخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَ يُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَىِّ وَمَنۡ يُّدَبِّرُ الۡاَمۡرَ ؕ فَسَيَقُوۡلُوۡنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ۝٣١ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الۡحَـقُّ ۚ فَمَاذَا بَعۡدَ الۡحَـقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۖ فَاَنّٰى تُصۡرَفُوۡنَ ۝٣٢﴾ [2]

ترجمہ: (ان سے پوچھو، کون تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے؟ یا کون ہے جس کے اختیار میں سماعت اور بینائی پر اختیار رکھتا ہے اور کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور کون ہے جو ساری کائنات کا انتظام فرماتا ہے تو جواب دیں گے، اللہ ، تو ان سے کہو کیا تم اللہ سے ڈرتے نہیں

---

(1) سورۃ البینۃ: ۵

(2)، سورۃ یونس: ۳۲-۳۱

نہیں؟ پس وہی اللہ تمہارا رب حقیقی ہے تو حق کے بعد گمراہی کے سوا اور کیا ہے تو کہاں تمہاری عقل الٹ جاتی ہے۔)

اس تناقص نے اہل عرب کو خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ دوسرے بہت سے خداؤں کی پرستش میں مبتلا کردیا تھا، جس سے خدا کی ذات، اسکی صفات اور اسکے حقوق میں شرک کی بہت سی قسمیں پیدا ہوگئیں اور وہ آہستہ آہستہ ان پر چھاتی چلی گئیں۔[1]

مشرکین عرب میں پانچ قسم کی مشرکانہ پرستش عام تھی۔

ا۔ ملائکہ پرستی:

اہل عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں اور اسکی اولاد قرار دیتے تھے جو صریحاً شرک کی علامت ہے اور کھلا کفر ہے، قرآن نے انکے اس عقیدہ کی تردید اس طرح فرمائی:

﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ ؕ هُوَ الۡغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۢ بِهٰذَا ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۸﴾﴾[2]

ترجمہ: (یہ کہتے ہیں کہ خدا کی اولاد ہے وہ ایسی باتوں سے پاک ہے، بے نیاز ہے، جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے سب اسی کا ہے، تمہارے پاس اس بات کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیا تم اللہ پر وہ بات لگاتے ہو جسکا تم علم نہیں رکھتے۔)

سورۃ نجم میں اللہ تعالیٰ نے ان فرشتوں کے نام بھی گنوادیے جنکی شفاعت پر اہل عرب کو بڑا اعتماد تھا اور ایک دوسرے پہلو سے ان کے شریک خدا یا شفیع ہونے کی تردید بھی کردی ہے۔

﴿اَفَرَءَيۡتُمُ اللّٰتَ وَ الۡعُزّٰى ﴿۱۹﴾ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الۡاُخۡرٰى ﴿۲۰﴾ اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الۡاُنۡثٰى ﴿۲۱﴾ تِلۡكَ اِذًا قِسۡمَةٌ ضِيۡزٰى ﴿۲۲﴾ اِنۡ هِىَ اِلَّاۤ اَسۡمَآءٌ سَمَّيۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ

---

(1) حقیقت شرک و توحید، مولانا امین احسن اصلاحی، فاران فاؤنڈیشن، لاہور، طبع اول، ۲۰۰۶ء، ص: ۲۴

(2) سورۃ یونس: ۶۸

وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْاَنْفُسُ ۚ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنْ رَّبِّهِمُ الْهُدٰى ﴿۲۳﴾[1]

ترجمہ: (بھلا کبھی غور کیا ہے لات و عزیٰ اور منات پر جو تیسری اور رحمت کے اعتبار سے ... ہے تم اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو اور اسکے لیے بیٹیاں! یہ تو بڑی ہی بھونڈی تقسیم ہوئی۔ محض نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ چھوڑے ہیں۔ اللہ نے ان کے حق میں کوئی دلیل نہیں اتاری، یہ لوگ محض گمان اور نفس کی خواہشوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی جانب سے نہایت واضح ہدایت آچکی ہے۔)

مشرکین عرب کو ان فرشتوں کے بتوں کی شفاعت پر بڑا اعتماد تھا۔ ان کے اس عقیدہ کے ابطال کی دلیل بیان فرمائی ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ شفاعت نیک کو بد اور بد کو نیک بنادے۔

۲۔ جنات پرستی:

ملائکہ کی طرح جنات کو بھی اہل عرب بندگی سے مافوق اور زمرۂ الوہیت سے نسبت رکھنے والی مخلوق خیال کرتے تھے۔ قرآن نے ان کے اس خیال کا ذکر یوں فرمایا:

﴿وَ جَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ؕ وَ لَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾﴾[2]

ترجمہ:(اور انہوں نے خدا اور جنوں کے درمیان بھی رشتہ جوڑ رکھا ہے اور جنوں کو خوب معلوم ہے کہ وہ عذاب میں گرفتار ہونگے، اللہ پاک ہے ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتے ہیں: ﴿ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَ خَلَقَهُمْ وَ خَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَ بَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾﴾[3]

---

(1) سورۃ النجم: ۱۹۔۲۳

(2) سورۃ الصّٰفّٰت: ۱۵۸۔۱۵۹

(3) سورۃ الانعام: ۱۰۰

ترجمہ: (اور انہوں نے جنوں میں خدا کے شریک ٹھرائے حالانکہ خدا ہی نے ان کو پیدا کیا)
قرآن نے جگہ جگہ تردید کی ہے کہ قرآن شیطانی تصرف سے بالکل پاک ہے، اور پیغمبر پہ شیاطین نہیں آسکتے۔ جسطرح مکھی صرف غلیظ اور نجس چیزوں پر بیٹھتی ہے اسی طرح جنات و شیاطین صرف گندی اور نجس روحوں پر ہی اترتے ہیں، وہ خدا کے رسولوں اور نبیوں پہ آنے کی جرات نہیں کرسکتے۔ اور نہ ہی ان کے کلام میں اپنی باتوں کی کوئی ملاوٹ کرسکتے ہیں۔

۳۔ کواکب پرستی:

دنیا کی تقریباً تمام بت پرست قوموں میں سورج اور چاند کی پرستش رائج رہی ہے۔ اہل عرب بھی ان کو زمرہ الوہیت میں خیال کرتے تھے۔ قرآن نے ان کے اس عقیدہ کی بھی تردید کی ہے:

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۭ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾[1]

ترجمہ:(اور اسی کی نشانیوں میں سے رات اور دن، سورج اور چاند بھی ہیں نہ سجدہ کرو سورج کو اورنہ چاند کو بلکہ سجدہ کرو اس اللہ کو جس نے ان ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے، اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو۔)

عرب میں جاڑوں کا موسم قحط وافلاس کا موسم ہوتا تھا۔ شمال کی ٹھنڈی ہوائیں اس زمانے میں پورے ملک کی تمام کاروباری سرگرمیوں کو مبرد کردیتی تھیں اسی وجہ سے اہل عرب جاڑے کے موسم کو "ایام نحسات" کہتے تھے۔ آمد ورفت اور تجارت کی چہل پہل زیادہ تر گرمیوں کے موسم کے ساتھ مخصوص تھی اور چونکہ یہی زمانہ شعریٰ کے طلوع ہونے کا زمانہ ہوتا تھا اس وجہ سے یہ ساری خیر و برکت اسی کی طرف منسوب ہوتی تھی۔ [2]

قرآن نے سورہ نجم میں اس وہم کی تردید کی ہے۔

---

(1) سورۃ حٰمٓ السجدۃ: ۳۷

(2) حقیقت شرک وتوحید، ص: ۳۷۰

﴿وَ اَنَّهٗ هُوَ اَغْنٰى وَ اَقْنٰى ﴿۴۸﴾ وَ اَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى ﴿۴۹﴾﴾[1]

ترجمہ:(اور اسی نے غنی اور سرمایہ دار کیا اور وہی شعریٰ کا بھی رب ہے۔

۴ ۔ آباء پرستی

مشرکین عرب نے آباء و اجداد میں سے ان بزرگوں کو دیوتاؤں کی جگہ دے دی ان سے مذہبی تقدس کی روایات پھیلی ہوئی تھیں ان کی قبریں اور ان کے آثار حصول برکت و قبولیت دعا کے مرکز بنتے بنتے بالآخر معبد بن گئے۔ اور آہستہ آہستہ ان کے متعلق بھی انہیں نے اسی طرح کے عقائد اور تصورات قائم کرلیے، جس طرح کے عقائد و تصورات انہوں نے جنات اور ملائکہ سے متعلق قائم کرلیے تھے۔

قرآن کریم نے ان کے غلط تصورات کی یوں تردید کی ہے:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾﴾[2]

ترجمہ: (اور جب ان کو دعوت دی جاتی ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے اتارا ہے اور رسول کی طرف آؤ تو جواب دیتے ہیں کہ ہمارے لیے وہی کافی ہے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے کیا اس صورت میں بھی جب کہ ان کے باپ دادا نہ کچھ جانتے رہے ہوں نہ ہدیت پر رہے ہوں۔)

۵۔ خود پرستی:

عرب جاہلیت میں شرک کی یہ قسم بھی موجود تھی وہ اپنی خوشحال اور فراغ اسباب کو اپنے علم و تدبر کا نتیجہ اور اپنے استحقاق ذاتی کا ثمرہ سمجھتے تھے آخرت کے اولاً تو قائل نہیں تھے اور اگر ایک مفروض کے درجہ میں اسکو مانتے بھی تھے ان کا خیال تھا کہ جسطرح ہم دنیا میں بہتر حالت میں ہیں اسی طرح آخرت میں بھی بہتر حالت میں رہیں گے۔ یہ بہتر حالت میں رہنا ہماری نیت

---

(1) سورۃ النجم: ۴۸۔۴۹

(2) القرآن، سورۃ المائدۃ: ۱۰۴

ذاتی حق ہے جو کسی حال میں ہم سے چھن نہیں سکتا۔ قرآن نے [illegible]
کی ہے۔

﴿فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ
عَلٰى عِلْمٍ ؕ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾﴾[1]

ترجمہ: (پس جب انسان کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو ہم کو پکارتا ہے پھر جب [illegible]
فضل کردیتے ہیں تو کہتا ہے کہ یہ تو میری تدبیر کی بدولت حاصل ہوا [illegible]
لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔)

دوسری جگہ یوں بیان فرمایا:

﴿ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً
وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ﴾[2]

ترجمہ: (اور اگر ہم اسکو اپنی رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں تو اس تکلیف کے بعد [illegible]
تو کہتا ہے؛ یہ تو میرا حق ہی ہے اور میں قیامت کے ہونے کا گمان نہیں رکھتا [illegible]
رب کی طرف لوٹایا ہی گیا تو میرے لیے اسکے پاس بھی بہتری ہی ہے۔)

---

(1) القرآن، سورۃ الزمر: ۴۹

(2) القرآن، سورۃ حٰم السجدہ: ۵۰

مشرکین سے
مکالمہ کا قرآنی اسلوب

رد شرک پر عقلی دلائل:

﴿وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ وَ لَا یَنْفَعُھُمْ وَ یَقُوْلُوْنَ ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰہَ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَہٗ وَ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۱۸﴾﴾[1]

ترجمہ:(یعنی اور (یہ لوگ) خدا کے سوا ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ ان کا کچھ بگاڑ ہی سکتی ہیں نہ کچھ بھلا ہی کرسکتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ خدا کے پاس ہماری سفارش کرنے والے ہیں کہ کہہ دو کیا تم خدا کو ایسی چیز بتاتے ہو جو اسکے علم کی رو سے نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں وہ پاک ہے اور (اس کی شان) ان کے شرک کرنے سے بہت بلند ہے۔)

اللہ تعالیٰ سرزنش کرتا ہے ان مشرکوں کو جو اللہ کو چھوڑ کر ان جھوٹے معبودوں کی پرستش کرتا ہے جو نہ اللہ کے پاس سفارش کرسکتے ہیں نہ عزت پہنچا سکتے ہیں نہ کسی چیز کے مالک ہیں اور نہ وہ جو چاہتے ہیں کرسکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ سب لوگ دین واحد پر تھے اور وہ ابتدا میں مسلمان ہی تھے۔ ابن عباس کہتے ہیں کہ آدم اور نوح کے درمیان دس قرن گزرے یہ سب لوگ آدم کے دین پر تھے۔ پھر لوگوں میں اختلاف ہوگیا اور اصنام اور اوثان کی لوگ عبادت کرنے لگے تو اللہ نے اپنے رسول دلائل وبراہین کے ساتھ بھیجے جسنے اللہ کی دلیل کو چھوڑ دیا وہ ہلاک ہوگیا اور جس نے دلیل کو لے لیا وہ سلامت بچ گیا۔[2]

جب ایک انسان کی سوچ غلط راہوں پر پڑ جاتی ہے تو وہ پھر کسی حد پر بھی نہیں رکتی یہ لوگ بتوں کو پوجتے ہیں جو ان کے ارباب ہیں ان کی حالت یہی ہے کہ وہ ان کو نہ نفع

---

(1) القرآن، یونس: ۱۸۔

(2) تفسیر ابن کثیر، ج: دوم، ص: ۴۶۶۔

پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان لیکن ان لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ کے ہاں یہ ہت شفاعت کریں گے۔(1)

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہوں گے اللہ سے کہہ دیں یہ بات نہیں ہے کہ اس کے ہاں کوئی شفاعت کرنے والا ہے یعنی دراصل کسی شفیع کا کوئی وجود ہی نہیں ہے، اگر ہوتا تو اللہ کو اس کا علم ہوتا۔ اللہ پاک ہے اور بالاتر ہے اس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ مِّنْ شُرَكَآئِهِمْ شُفَعٰٓؤُا وَكَانُوْا بِشُرَكَآئِهِمْ كٰفِرِيْنَ ﴾[2]

ترجمہ: (یعنی ان کے (بنائے ہوئے) شریکوں میں سے کوئی بھی انکا سفارشی نہ ہوگا اور وہ اپنے شریکوں سے منکر ہوجائیں گے۔)

شرکاء کا اطلاق تین قسم کی ہستیوں پر ہوتا ہے ایک ملائکہ، انبیاء، اولیاء اور شہداء و صالحین جن کو مختلف زمانوں میں مشرکین نے خدائی صفات اور اختیارات کا حامل قرار دے کر ان کے آگے مراسم عبودیت انجام دیئے ہیں۔ وہ قیامت کے روز صاف کہہ دیں گے کہ تم نے یہ سب کچھ ہماری مرضی کے بغیر، بلکہ ہماری تعلیم وہدایت کے سراسر خلاف کرتے رہے ہو۔ اس لیے ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں، ہم سے کوئی امید نہ رکھو کہ ہم تمہاری شفاعت کے لیے خدائے بزرگ کے سامنے کچھ عرض معروض کریں گے۔ دوسری قسم ان اشیاء کی ہے جو بے شعور یا بے جان ہیں جیسے چاند، سورج، سیارے، درخت، پتھر اور حیوانات وغیرہ۔ مشرکین نے ان کو خدا بنایا اور ان کی پرستش کی اور ان سے دعائیں مانگیں۔ مگر وہ بےچارے بے خبر ہیں کہ اللہ میاں کے خلیفہ یہ ساری نیازمندیاں ان کے لیے وقف فرمارہے ہیں۔ تیسری قسم ان اکابر مجرمین کی ہے جنہوں نے خود کوشش کرکے مکر و فریب سے کام لے کر جھوٹ کے جال پھیلا کر یا طاقت استعمال کرکے دنیا میں خدا کے بندوں سے اپنی بندگی کرائی، مثلا: شیطان، جھوٹے مذہبی پیشوا، اور ظالم وجابر حکمران وغیرہ۔ یعنی قیامت کے روز یہ مشرکین خود اس بات کا اقرار کریں گے کہ ہم ان کو خدا کا شریک

---

(1) فی ظلال القرآن، ج: سوم، ص: ۱۷۷

(2) القرآن، سورۃ الروم: ۱۳

ٹھہرانے میں غلطی پر تھے۔ ان پر یہ حقیقت کھل جائے گی کہ فی الواقع ان میں سے کسی کا بھی خدائی میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس لیے جس شرک میں آج وہ دنیا میں اقرار کر رہے ہیں اس کا وہ آخرت میں انکار کریں گے۔[1]

﴿وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ؕ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝﴾[2]

ترجمہ: (اور ان لوگوں نے خدا کے سوا اور معبود بنالیے ہیں تاکہ وہ ان کے لیے مددگار ہوں۔ ہرگز نہیں وہ (معبودان باطل) ان کی پرستش سے انکار کریں گے اور ان کے دشمن ہوں گے۔)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین سے مخاطب ہیں کہ یہ لوگ جو آیات الٰہیہ کا انکار کرتے ہیں وہ اللہ کے سوا دوسروں کو الہ بناتے ہیں اور ان کے ہاں اپنی عزت بناتے ہیں اور انہی سے غلبہ اور نصرت مانگتے ہیں اور ان میں سے بعض لوگ تو ملائکہ کی بندگی کرتے ہیں بعض ایسے ہیں جو جنوں کی پرستش کرتے ہیں، ان سے نصرت طلب کرتے ہیں لیکن ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا عنقریب وہ سب معبود ان سب کی عبادت، بندگی اور پکارنے کا انکار کریں گے ان کے اس فعل سے نفرت کریں گے اور اللہ کے سامنے ان سے اپنی برأت کا اظہار کریں گے۔ اور الٹے ان کے مخالف بن جائیں گے۔[3] یعنی وہ کہیں گے نہ ہم نے کبھی ان سے کہا تھا کہ ہماری عبادت کرو اور نہ ہمیں یہ خبر تھی کہ یہ احمق لوگ ہماری عبادت کر رہے ہیں۔[4]

﴿وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۝﴾

---

(1) تفہیم القرآن، ج: سوم، ص: ۱۷۷۔

(2) القرآن، سورۃ مریم: ۸۱۔۸۲۔

(3) فی ظلال القرآن، ج: چہارم، ص: ۵۷۴۔

(4) تفہیم القرآن، ج: سوم، ص: ۸۵۔

ترجمہ: (اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ ٹھرے رہو تو ہم ان میں تفرقہ ڈال دیں گے اور ان کے شریک ان سے کہیں گے کہ تم ہم کو تو نہیں پوجا کرتے تھے۔)

یہ ہوگا قصہ سفارشیوں اور شریکوں کا، قیامت کے مناظر میں سے ایک منظر شکل میں سے یہاں لایا گیا ہے، یہ منظر بتاتا ہے کہ عملاً یہ سفارشی اور شریک وہاں بے بس کھڑے ہوں گے اور نہ کسی کو چھڑا سکیں گے اور نہ بچا سکیں گے۔

قیامت کے روز ان سب کو کہا جائیگا کہ ٹھہر جاؤ تم خود بھی اور تمہارے بنائے ہوئے شریک بھی، اور پھر ان کے درمیان اور شریکوں کے درمیان پردہ حائل ہوگا اور وہ لوگ جنکو لوگ ناحق شریک بناتے تھے وہ اپنی برأت میں عرض کریں گے کہ وہ اس جرم میں شریک نہیں ہیں۔ یہ جرم کہ کفار نے اللہ کے ساتھ ان کی بھی بندگی کی یا اللہ کو چھوڑ کر صرف ان کی بندگی کی۔ وہ اعلان کرینگے کہ ہمیں علم ہے اور نہ شعور اور وہ اس جرم میں کسی طرح بھی شریک نہیں ہیں وہ اپنی اس برأت پر اللہ کو گواہ ٹھہرائیں گے۔ [2]

یعنی وہ تمام فرشتے جن کو دنیا میں دیوی اور دیوتا قرار دے کر پوجا گیا اور وہ تمام جن، ارواح، اسلاف، اجداد، انبیاء، اولیاء، شہداء وغیرہ جن کو خدائی صفات میں شریک ٹھرا کر وہ حقوق انہیں ادا کیے گئے جو در اصل خدا کے حقوق تھے وہاں اپنے پرستاروں سے صاف کہہ دیں گے کہ ہمیں تو خبر تک نہ تھی کہ تم ہماری عبادت بجا لارہے ہو۔ [3]

﴿إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ۖ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ ﴾[4]

ترجمہ: ((مشرکو! اس روز) تم اور جن کی تم خدا کے سوا عبادت کرتے ہو دوزخ کا ایندھن ہو گے اور تم سب اس میں داخل ہو کر رہو گے۔)

---

(1) القرآن، سورۃ یونس: ۲۸

(2) فی ظلال القرآن، ج: سوم، ص: ۷۸۲

(3) تفہیم القرآن، ج: دوم، ص ۲۸۱

(4) القرآن، سورۃ الانبیاء: ۹۸

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے خلق خدا کو خدا پرستی کی تعلیم دی تھی اور لوگ انہی کو معبود بنا بیٹھے یا وہ جو اس بات سے بالکل بے خبر ہیں کہ دنیا میں ان کی بندگی کی جارہی ہے اور اس فعل میں ان کی خواہش اور مرضی کا کوئی دخل نہیں تو ان کے جہنم میں جانے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیونکہ وہ اس شرک کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ البتہ جنہوں نے خود معبود بننے کی کوشش کی اور جن کا خلق خدا کے اس شرک میں واقعی دخل ہے وہ سب اپنے عابدوں کے ساتھ جہنم میں جائیں گے اسی طرح وہ لوگ بھی جہنم میں جائیں گے جنہوں نے اپنی اغراض کے لیے غیر اللہ کو معبود بنایا۔

بت پرستوں سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اور تمہارے بت جہنم کی آگ کی لکڑیاں بنو گے حضرت ابن مسعود سے مروی ہے کہ جب صرف مشرک جہنم میں رہ جائیں گے انہیں آگ کے صندوقوں میں قید کردیا جائیگا جن میں آگ کے کیلے ہونگے ان میں سے ہر ایک کو ہی گمان ہو گا کہ جہنم میں اس کے سوا کوئی نہیں پھر آپؐ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔[1]

﴿فَاِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٦٥﴾[2]

ترجمہ:(پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خدا کو پکارتے (اور) خالص اسی کی عبادت کرتے ہیں لیکن جب وہ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچادیتا ہے تو جھٹ شرک کرنے لگتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکیں کی کیفیت کا نقشہ کھینچ رہے ہیں، فرمایا کہ مشرکین بے کسی اور بے بسی کے وقت تو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کو ہی پکارنے لگتے ہیں پھر مصیبت کے ٹلنے اور مشکل کے ٹل جانے کے بعد اسکے ساتھ دوسروں کا نام کیوں لیتے ہیں۔ **(واذا مسکم الضر فی البحر)** یعنی جب سمندر میں مشکل میں پھنستے ہیں اسوقت اللہ تعالیٰ کے سوا سب کو بھول جاتے ہیں اور جب وہاں سے نجات پاکر خشکی میں آجاتے ہیں تو فوراً ہی منہ پھیر لیتے ہیں۔

جب رسول اللہ نے مکہ فتح کیا تو عکرمہ بن ابی جہل یہاں سے بھاگ نکلا اور حبشہ جانے کے ارادے سے کشتی میں بیٹھ گیا۔ اتفاقاً سخت طوفان آیا اور کشتی ادھر ادھر ہونے لگی۔ جتنے مشرکین کشتی میں تھے سب کہنے لگے یہ موقعہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا ہے اٹھو اور خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرو اسوقت نجات اسی کے ہاتھ ہے یہ سنتے ہیں عکرمہ نے کہا سنو اللہ تعالیٰ کی قسم اگر سمندر کی

---

(1) تفسیر ابن کثیر، ج: سوم، ص: ۱۵۱

(2) القرآن، سورۃ العنکبوت: ۶۵

اس بلا سے بجز رب کے کوئی اور نجات نہیں دے سکتا تو خشکی کی مصیبتوں کو ٹالنے والا تو رب ہی ہے۔ اے اللہ میں عہد کرتا ہوں کہ اگر یہاں کلمہ پڑھ لوں گا، چنانچہ یہی ہوا۔[1]

﴿وَ اَذٰنٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ﴾[2]

ترجمہ: (حج اکبر کے دن خدا اور اس کے رسول کی طرف سے لوگوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ خدا مشرکوں سے بیزار اور اسکا رسول بھی(ان سے دست بردار ہے)۔

اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول کی طرف سے عام اعلان ہے اور ہے بھی بڑے حج کے دن یعنی عید قربان کو جو حج کے تمام دنوں سے بڑا اور افضل دن ہے کو اللہ تعالیٰ اور اسکا رسول مشرکوں سے بری الذمہ بیزار اور الگ ہیں۔ اگر اب بھی تم گمراہی اور شرک ویرائی چھوڑ دو تمہارے حق میں بہتر ہے۔ توبہ کرلو نیک بن جاؤ گے اسلام قبول کرلو شرک و کفر چھوڑ دو اگر تم نے نہ مانی اپنی ضلالت پر قائم رہے تو نہ اب اللہ تعالیٰ کے قبضے سے باہر ہو نہ آئندہ کسی وقت اللہ تعالیٰ کو ہرا سکتے ہو وہ تم پر قادر ہے تمہاری چوٹیاں اس کے ہاتھ میں ہیں وہ کافروں کو دنیا میں بھی سزا کریگا اور آخرت میں بھی[3]۔

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ﴾[4]

ترجمہ: (اے مؤمنو! مشرک تو پلید ہیں تو اس برس کے بعد وہ خانہ کعبہ کے پاس نہ جانے پائیں۔)

---

(1) تفسیر ابن کثیر، ج: سوم، ص: ۴۶۵

(2) القرآن، سورۃ التوبہ: ۳

(3) تفسیر ابن کثیر، ج: دوم، ص: ۳۴۸

(4) القرآن، سورۃ التوبہ: ۲۸

اس آیت میں واضح کر دیا گیا کہ آئندہ کے لیے ان کا حج اور ان کی زیارت ہی بند نہیں بلکہ مسجد حرام کی حدود میں ان کا داخلہ بھی بند ہے تاکہ شرک و جاہلیت کا اعادہ کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔ ناپاک ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ بذات خود ناپاک ہیں بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ ان کے اعتقادات، ان کے اخلاق، ان کے اعمال اور ان کے جاہلانہ طریق زندگی ناپاک ہیں اور اسی نجاست کی بناء پر حدود حرم میں انکا داخلہ بند کیا گیا ہے۔[1]

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِافْتَرٰٓى إِثْمًا عَظِيْمًا ﴿٤٨﴾﴾[2]

ترجمہ: (یعنی خدا اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اسکا شریک بنایا جائے اور اسکے سوا اور گناہ جسکو چاہے معاف کردے اور جس نے خدا کا شریک مقرر کیا اسے بڑا بہتان باندھا۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿١١٦﴾﴾[3]

ترجمہ: (یعنی خدا اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اسکا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا (اور گناہ) جسکو چاہے گا بخش دیگا اور جس نے خدا کے ساتھ شریک بنایا وہ رستے سے دور جا پڑے۔)

ان آیات میں شرک کو اللہ پر افترا باندھنے کے مترادف کہا گیا اللہ خود قرآن میں فرما رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے اس نے بڑے گناہ کا افترا باندھا۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے کہا یارسول اللہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ

---

(1) تفہیم القرآن، ج: دوم، ص: ۱۸۷۔

(2) القرآن، سورۃ النساء: ۴۸۔

(3) القرآن، سورۃ النساء: ۱۱۶۔

" تو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔[1]

ان اللہ لایغفر۔۔۔ حضرت علی فرمایا کرتے تھے قرآن کی کوئی آیت مجھے اس آیت سے زیادہ محبوب نہیں۔

شرک اس لیے جرم عظیم ہے کہ سکی وجہ سے اللہ اور بندے کے درمیان ربط ٹوٹ جاتا ہے اور مشرک کو یہ امید نہیں ہوتی کہ اللہ اسے معاف کردے گا اگر ایسے لوگ اس دنیا سے اس حال میں جائیں کہ وہ مشرک ہوں اور ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی رابطہ نہ ہو تو ان کی مغفرت نہیں ہوسکتی۔ جو شخص بھی شرک کرے اور اسی شرکیہ حالت میں دنیا سے چلا جائے جبکہ اس کے سامنے دلائل توحید مظاہر کائنات اور رسولوں کی تعلیمات میں موجود ہوں تو وہ جہنمی ہوگا۔

من یشرک باللہ۔۔۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھرایا وہ گمراہی میں بہت دور نکل گیا اگر ایسے شخص کی فطرت کے تار وبور میں سے کوئی ایک دھاگہ بھی باقی ہوتا تو وہ اسے اللہ کے نظریہ وحدانیت کے ساتھ جوڑے رکھتا لیکن اسنے تمام رشتے توڑ دیئے اگر شرک سے کوئی تائب ہوجائے اور مقت سے چند منٹ پہلے تائب ہوجائے تو بھی نجات پائے گا ہاں اگر حالت نزع طاری ہو اور وہ مشرک ہو تو اب اسکا انجام جہنم ہوگا۔ (2)

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ١٦٥﴾ (3)

ترجمہ: (اور لوگوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کے ہمسر ٹھراتے ہیں جن سے وہ اسطرح محبت کرتے ہیں جسطرح خدا سے محبت کرنی چاہیے لیکن جو خدا پر ایمان رکھتے ہیں وہ سب سے زیادہ خدا سے محبت رکھنے والے ہیں اور اگر یہ اپنی جانوں پر ظلم ڈھانے والے اسوقت کو دیکھ سکتے جبکہ یہ عذاب سے دوچار ہوں گے تو ان پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہوجاتی کہ سارا زور اور اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اللہ بڑا ہی سخت عذاب دینے والا ہے۔)

---

(1) تفسیر ابن کثیر، ج: اول، ص: ۶۳۳۔

(2) فی ظلال القرآن، ج: دوم، ص: ۲۷۰۔

(3) القرآن، سورۃ البقرۃ: ۱۶۵۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ مشرکین کا دنیوی اور اخروی حال بیان فرمارہے ہیں۔ یہ اللہ کا شریک مقرر کرتے ہیں۔ اس جیسا اوروں کو ٹھراتے ہیں پھر ان کی محبت اپنے دل میں ایسی رکھتے ہیں جیسے اللہ کی ہونی چاہیے۔ حالانکہ وہ معبود برحق صرف ایک ہی ہے۔ وہ شریک اور ساتھی سے پاک ہے۔

ان مشرکین کو جو اپنی جانوں پر بوجہ شرک کے ظلم کرتے ہیں اللہ عذابوں [illegible] پہنچاتا ہے کہ اگر یہ لوگ عذابوں کو دیکھ لیتے تو یقین ہوجاتا کہ قدرتوں والا صرف اللہ تعالیٰ ہے تمام چیزیں اسی کے ماتحت اور زیر فرمان ہیں اور اسکے عذاب بھی بڑے بھاری ہیں۔ جیسے ایک جگہ ہے کہ۔ اس دن نہ تو اسکے عذب جیسا کوئی عذاب کرسکتا ہے اور نہ اسکی پکڑ جیسی کسی کی پکڑ ہوسکتی ہے دوسرا مطلب یہ بھی ہے کہ اگر انہیں اس منظر کا علم ہوتا تو یہ اپنی گمراہی اور شرک [illegible] پر ہرگز نہ اڑتے۔ (1)

قیامت کے روز مشرکین جب دیکھیں گے کہ ان کے پیشوا ان کے شرک سے انکاری ہو جائیں گے۔ اور وہ عذاب کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے اور جب تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے نہ کوئی بھاگنے کی جگہ رہے گی اور نہ چھٹکارے کی کوئی صورت نظر آئے گی دوستیاں بھی کٹ جائیں گی اور رشتے ٹوٹ جائیں گے تو پھر یہ مشرکین نہایت حسرت کریں گے کہ اگر ہمیں اب دنیا میں ایک بار لوٹ جانے کا موقع مل جائے تو ہم ان سے بے زار ہو جائیں گے اور ہم اللہ کا شریک نہیں بنائیں گے لیکن ہائے افسوس کہ یہ ممکن نہ ہو گا۔

بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے سوا دوسروں کو اللہ کا شریک بناتے ہیں جن لوگوں سے قرآن مخاطب تھا ان کے معاشرے میں اللہ کے یہ ہمسر درخت، پتھر، ستارے اور ملائکہ و شیاطین تھے جاہلیت کے مختلف ادوار میں کبھی عام چیزیں، کبھی افراد و اشخاص کبھی اشارت و عقیدت اللہ کے ہمسر رہے ہیں بعض اوقت یہ ہمسری شرک خفی کی تعریف میں آتی ہے اور کبھی شرک عام و جلی کی صورت میں۔ جب ان اشیاء کا ذکر اللہ کے ساتھ ہو اور دل میں ان کے بارے میں ایسی عظمت ومحبت ہو، جو اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیے تو یہ خفیہ شرک ہوگا اور اگر صورت احوال یہ [illegible]

---

(1) تفسیر ابن کثیر، ج: اول، ص: ۲۵۱۔

سے اللہ کی محبت بالکل نکل جائے اور اسکی جگہ کسی اور چیز کی محبت اور عظمت جاگزین ہوجائے تو یہ کھلا شرک ہوگا۔ (1)

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ؕ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۳۷﴾﴾ (2)

ترجمہ: (اور اس کی نشانیوں میں سے رات اور دن، سورج اور چاند بھی ہیں، نہ سجدہ کرو سورج کو اور نہ چاند ، بلکہ سجدہ کرو اس اللہ کو جسنے ان ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے، اگر تم اسی کی بندگی کرتے رہو۔)

اہل عرب نکھتروں کی تاثیر کے بھی معتقد تھے انکا خیال تھا کہ انواء (نکھتروں) کو انسان کی خوشحالی میں بڑا دخل ہے۔ بارش انہی کے جود وکرم کا نتیجہ سمجھتے تھے۔ بارش ہوتی تو کہتے "مصرنا بنوء کذا" فلاں نکھتر خوب برسی، اور یہ نسبت ان کے نزدیک مجازی نہیں ہوتی تھی بلکہ وہ فی الحقیقت اس بات پر ایمان رکھتے تھے کہ پانی برسانا نکھتروں کا کام ہے۔ (3)

اسی طرح اہل عرب ستاروں کو بھی معبود مانتے تھے اور مشہور ستارہ شعریٰ بھی اہل عرب کا معبود تھا۔ یہ گرمیوں کے زمانے میں طلوع ہوتا تھا۔ اہل عرب کے تصور مذہبی نے ان مختلف عناصر کو جوڑ توڑ کر دیوتاؤں کی ایک بزم سجائی۔ جسمیں خدا کی حیثیت ایک عرش والے کی قرار پائی۔ اور ان دیوتاؤں کو مقربین بارگاہ اور ارکان سلطنت کی حیثیت بخشی۔ پھر اس تصور میں تشبیہ نے، جو ہمیشہ سے شرک کے نہایت اہم اسباب و عوامل میں سے رہی ہے رنگ آمیزی کی اور یہ خیال پیدا ہوا کہ جسطرح زمین کے ملوک وسلاطین اپنے دور دراز کے علاقوں کے انتظام اپنے حکام وعمال کے سپرد کردیتے ہیں اسی طرح خدائے عرش نشین نے بھی زمین کے معاملات کا انتظام والصرام ان دیوتاؤں کے سپرد کر چھوڑا ہے اور اسنے اپنا تعلق صرف آسمان کے نظم و اہتمام سے رکھا ہے۔

---

(1) فی ظلال القرآن، ج: اول ، ص:۲۲۹۔

(2) القرآن، سورۃ حٰم السجدۃ: ۳۷۔

(3) حقیقت شرک وتوحید، امین احسن اصلاحی، ص:۳۶۔

منافقین سے
مکالمہ کا قرآنی اسلوب

نفاق کا مفہوم:

نفاق کے بنیادی معنی، جس سے یہ لفظ "نفاق" نکلا ہے گذر کر پار ہو جانے کے ہیں۔ اس مادہ سے جتنے الفاظ نکلے ہیں ان سب میں یہ بنیادی معنی قدر مشترک کے طور پر موجود ہے۔ مثلاً "نفق" سرنگ کو کہتے ہیں جسمیں ایک طرف داخل ہونے کا اور دوسری طرف نکلنے کا راستہ ہوتا ہے۔ "نافقاء" چوہے کے اس بل کو کہتے ہیں جس میں دو سوراخ ہیں، ایک گھسنے کا، دوسرا نکل بھاگنے کا۔ پاجامے کا نیفہ "نیفق" کہلاتا ہے جس کا بھی یہی حال ہے غرض ان سب چیزوں میں داخل ہو کر گزر جانے اور پھر پار ہو کر باہر نکل جانے کا مفہوم موجود ہے، نفاق کا لفظ بھی اسی مادہ سے ہے۔

"النفاق فقيل انه مأخوذ من النفق وهو السرف فی الارض الذی یستتر فیه. سمی النفاق بذلک لان المنافق یستتر کفره"(1)

وقیل انه مأخوذ من نافقاء الیربوع وهو باب جحره. فالیربوع یحفر له حجرا ثم یسد به جحره ویسمی هذا المدخل "القاصعاء" ثم یحفر له مخرجا آخر حتی بقی من التراب قشرة رقیقة ترکها حتی لایعرف مکان هذا المخرج. ویسمی هذا المخرج "النافقاء" فاذا اتی من قبل القاصعاء عنه فضرب النافقاء، برأسه، وخرج منها وهرب فکذالک المنافق یظهر خلاف ما یبطن وبهذا قال ابن فارس۔(2)

وقیل انه مأخوذ من نافقاء الیربوع ولکن لا من جهة ان المنافق یظهر خلاف مایبطن ولکن جهة انه یدخل فی الاسلام ثم یخرج منه من غیر الوجه الذی دخل فیه. وبهذا قال الراغب الاصفهانی۔(3)

دین میں داخل ہونے کے بعد پھر اس سے باہر نکل آنا دو وجہوں سے ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ دین میں داخلہ محض دکھانے کے لیے ہوا ہو اور دل بدستور کفر وانکار پر جما ہوا ہو۔ دوسری یہ کہ داخلا ہوا تو اسلام سے تعلق خاطر ہی کی بناء پر، لیکن یہ تعلق خاطر اتنا ضعیف ہو کہ دوسرے تعلقات اس پر پوری طرح غالب ہوں۔ پہلی قسم کا نفاق "نفاق عقیدہ" اور دوسری قسم کا نفاق "نفاق عمل" کہلاتا ہے۔

اصطلاحی معنی:

والنفاق فی الاسلام هو اظهار الاسلام و بطان الکفر وهو اسم اسلامی لم

---

(1) لسان العرب، بذیل مادہ (ن ف ق)۔

(2) مقاییس اللغۃ، ابن فارس، ابو الحسین احمد بن زکریا، دار الفکر، بیروت،-۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء

(3) لسان العرب۔

تعرفه العرب بهذا المعنی الخاص وان کان اصله الذی اخذ منه فی اللغة معروف۔[1]

منافق کو اسی لیے منافق کہتے ہیں کہ اسکے دو منہ ہوتے ہیں مسلمانوں کے سامنے کچھ اور کافروں کے سامنے کچھ ۔ جب وہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں مگر باطن میں وہ کافر ہی ہوتے ہیں۔ دل میں ان کے کفر ہی ہوتا ہے مگر اپنے مفاد کی خاطر دین اسلام کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ قرآن منافقوں کی تصویر کشی اسطرح کرتا ہے:

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾ [2]

ترجمہ: (جب یہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے دوست کافروں سے علیحدگی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں (مسلمانوں سے) تو ہم محض ہنسی مذاق کرتے ہیں۔

حدیث میں منافق کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"اربع من کن فیه کان منافقاً خالصاً ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق حتی یدعها: اذا اعتمن خان واذا حدّث کذب، واذا عاهد غدر، واذا خاصم فجر۔"[3]

انواع المنافق:

واما النفاق: فالداء العضال الباطن، الذی یکون الرجل ممتلئاً منه وهو لایشعر، فانه امر خفی علی الناس۔ وکثیراً مایخفی علی من تلبس به. فیزعم انه مصلح وهو مفسد۔ وهو نوعان: ۱۔ اکبر ۲۔ اصغر

زمانہ رسالت میں منافق دو طرح کے تھے۔ ایک تو وہ لوگ جو زبان سے کلمہ شہادت ادا کرتے تھے مگر دل ان کی پوری طرح کفر اور جحود پر جمے تھے۔ صرف دھوکا دینے کے لیے ایسا کہتے

---

(1) حقیقت شرک و توحید، امین احسن اصلاحی، ص: ۳۶۔

(2) القرآن، سورۃ البقرۃ: ۱۴۔

(3) صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب علامۃ المنافق۔

(4) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب خصال المنافق۔

تھے، یہی وہ لوگ ہیں جنکے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے [illegible] ہونگے۔ ﴿فی الدرک الاسفل من النار﴾۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جو دائرہ اسلام میں داخل تو ہو گئے تھے مگر [illegible] کمزوریاں تھیں پختگی نہ تھی۔ ان کے ضعف ایمانی کی مختلف نوعتیں تھیں۔

مثلاً ایک گروہ تو ان لوگوں کا تھا جو ہر معاملہ میں اپنی قومی روش کے پیچھے [illegible] مسلمان ہوئی تو اسکے پیچھے یہ بھی مسلمان ہوگئے اور اگر وہ کافر رہی تو یہ بھی کافر [illegible]

دوسرا گروہ ایسے لوگوں کا تھا جنکے دلوں میں دنیا کی حقیر لذتوں کا عشق [illegible] تھا۔ ایسی بری طرح کہ اللہ اور اسکے رسول کی محبت کے لیے ان میں کوئی جگہ [illegible] یا دولت کا لالچ حسد اور کینہ وغیرہ باطنی کثافتیں اسطرح ان کے دلوں پر قبضہ کیے [illegible] دعا کی حلاوتوں اور عبادت کی برکتوں کے محسوس کرسکنے کا کوئی موقع باقی نہیں رہ [illegible]

تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جن کو معاشی افکار و اشغال نے اپنا [illegible] امر کی ان کو فرصت ہی نہ لینے دیتے تھے کہ وہ آخرت کا کوئی خیال کریں۔

چوتھا گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جنکو آنحضرت کی نبوت پر پورا [illegible] وہ شک میں مبتلا تھے۔

ومن هنا نعلم ان العلماء قسموا النفاق الى نوعين: نفاق [illegible] الترمذی نفاق التکذیب وسماه غیره النفاق الاعتقادی ونفاق [illegible] العلماء نفاق العمل۔ [1]

والنفاق الاکبر یتضمن النفاق الاصغر لان من کان کافرا فی باطنه ظهرت [illegible] نفاقه علی سلوکه بخلاف النفاق الاصغر فانه لایتضمن النفاق الاکبر [illegible] الا مع سلامة العقيدة من الكفر۔ [2]

تمام صحابہ کرام نفاق سے ڈرتے تھے اور اپنا محاسبہ کرتے رہتے تھے کہ [illegible] میں نفاق تو نہیں داخل ہوگیا۔

---

(1) المنافقون فی القرآن الکریم، عبداللہ الحمیدی، دار المجتمع، للنشر والتوزیع سعودی عرب، ۱۹۸۹ء، ط: [illegible]

(2) المنافقون فی القرآن الکریم، ص: ۱۸۔

حدیث میں ہے: (ماخافه إلا مؤمن ولا امنه إلا منافق)[1]

(والله ما معنى مؤمن ولا بقى إلا وهو يخاف النفاق وما امنه إلا منافق)[2]

أن النفاق الاصغر هو مايصدر من المؤمن من تعرفات يظهر فيهـ خلاف ما يضمر مما هو دون الكفر وذلك كالرياء الذى لايكون فى أصل العمل وإنما يعرض له فى اثنائه وكاظهار مودة الغير والقيام بخدمته مع اضمار بغضة والاساءة اليه وكالتقرب للمسؤلين والثناء عليهم وهم مصرون على مخالفة تعاليم الاسلام. واذا ترتب على ذلك الاضرار بالغير كان الجرم اشنع والاثم أعظم۔[3]

نفاق (منافقین) کا آغاز

اسلام کے ابتدائی دور یعنی مکہ مکرمہ میں منافقین کا وجود نہ تھا۔ کیونکہ وہاں کے حالات میں اس دو رخی (منافقت) کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اسلیئے مکی سورتوں میں ان کا ذکر نہیں ان کا ذکر مدنی سورتوں میں ہیں اور ان سورتوں میں مختلف مقامات پر ان کے کردار کی وضاحت کی گئی ہے۔

منافقت یا نفاق کا آغاز اسطرح ہوا کہ ہجرت سے پہلے مدینہ منورہ میں ایک با اثر اور عیار شخص عبداللہ بن ابی بن سلول رہتا تھا۔ اوس اور خزرج کے قبائل جو باہم دگر مخالف تھے۔ اس سے بہت متاثر تھے۔ جنگ بعاث میں ان کے بہت سے بہادر اور نامور لوگ قتل ہوچکے تھے۔ جسکی وجہ سے وہ جنگ سے دستکش ہونا چاہتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی کو دونوں نے متفقہ طور پر اپنے قائد کے طور پر تسلیم کرلیا۔ یہ معاملہ یہاں تک طے پاچکا تھا اور اس کے لیے ایک تاج بھی بنوایا گیا تھا۔ لیکن اسی اثناء میں رسول اللہ ؐ اور آپؐ کے صحابہ کرام ہجرت کرکے مدینہ میں داخل ہوئے۔ جسکی بناء پر حالات بدل گئے۔ اور مدینہ منورہ میں کسی اور قیادت کی گنجائش نہ رہی۔ عبداللہ بن ابی سلول کو اس صورت حال سے سخت ذہنی تکلیف پہنچی؛ اسیے کہ اس سے خود اس کی سرداری خطرے میں پڑ گئی تھی۔ اس نے اسلام قبول تو کرلیا لیکن دل میں آنحضرتؐ کو اپنا دشمن

---

(1) صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب خوف المؤمن من ان یحبط عملہ۔

(2) فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، مطبع الریاض، ط: اول، ۱/۱۱۱۔

(3) المنافقون فی القرآن الکریم، ص: ۱۶۔

سمجھنے لگا۔ اسکا اظہار مختلف صورتوں اور موقعوں پر کرتا رہا لیکن بہت جلد منافقین ایک گروہ کی شکل اختیار کر گئے اور رسول اکرمؐ اور صحابہ کرامؓ پر ان کا بھید کھل گیا۔ تعداد میں یہ کم تھے بظاہر مسلمان مگر بباطن دشمن اور مخالف تھے۔ مختلف مواقع پر یہ لوگ آنحضرت اور مسلمانوں سے اظہار بغض وعداوت کرتے رہے۔ اوس وخزرج کے بعض فسادی افراد اور بعض یہودیوں کی ملی بھگت سے مسلمانون کے خلاف یہ گروہ سرگرم عمل رہا۔

تاریخ اسلام میں پہلی دفعہ منافقوں کی سرگرمیوں کا اظہار غزوہ احد کے موقع پر ہوا۔ جب آنحضرتؐ نے صحابہ کے مشورے کے مطابق مدینہ منورہ سے باہر نکل کر معرکہ آرا ہونے کا فیصلہ کیا اور ایک ہزار جاں نثاروں کے ساتھ میدان احد کی طرف روانہ ہوئے۔ ڈیڑھ دو میل دور جا کر عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ عسکر اسلام سے یہ کہتے ہوئے الگ ہوگیا کہ چونکہ ہماری رائے نہیں مانی گئی اسلیے ہم اس سے علیحدہ ہوتے ہیں یہ مسلمانوں کے خلاف منافقوں کی پہلی شرارت تھی۔

۵ھ میں غزوہ مریسیع (غزوہ بنی المصطلق) میں عبداللہ بن ابی نے پھر اپنے ہمراہ منافقین کی معیت میں شرکت کی۔ یہاں بھی انہوں نے فتنہ گری اور شرارت کی کوشش کی۔ اور مہاجر اور غیر مہاجر کا فتنہ برپا کرنے کی اور آپس میں مخالفت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسی غزوہ سے واپسی پر واقعہ افک پیش آیا۔ تو اسمیں بھی منافقوں نے اہم کردار ادا کیا۔ پھر جنگ احزاب کے موقع پر بھی منافقین نے مسلمانوں کو بد دل کرنے اور ان کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کی۔ اس جنگ میں بھی انہوں نے اپنی خفیہ سرگرمیاں جاری رکھیں۔

جنگ تبوک کے موقع پر بھی منافقین نے مسلمانوں میں طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا کیں۔ منافقوں کے گروہ نے مسجد قبا کے مقابلے میں ایک مسجد میں تعمیر کی جسکو قرآن نے مسجد ضرار کے نام سے موسوم کیا۔ صحابہ کرامؓ نے رسول اللہؐ کے حکم سے مسجد ضرار کو منہدم کردیا تھا۔ قرآن کریم نے جس طرح کفر کی علامتیں اور خصائل بیان کی ہیں اسی طرح نفاق کا بھی ذکر کیا ہے۔

اعمال نفاق یا مقیاس النفاق

قرآن کریم میں تمام اقسام کے منافقین کی ذہنیتوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ اور ان کے افکار واعمال کی ایک طویل فہرست پیش کی گئی ہے۔ اس فہرست کو اگر آلہ نفاق پیمائی یا "مقیاس النفاق" کہا جائے تو مبالغہ ہرگز نہ ہوگا۔ اس فہرست میں اعتقادی اور عملی، مفادپرست اور غیر مفادپرست، غرض ہرقسم کے، اور ہرقسم میں سے ہر گروہ کے اعمال وصفات کا تذکرہ ہے۔ ان میں وہ اعمال بھی ہیں جو کسی خاص قسم، یا کسی قسم کے کسی خاص گروہ کے مخصوص اعمال وصفات ہیں۔ اور وہ اعمال وصفات بھی ہیں جو دو یا دو سے زائد قسموں یا گروہوں میں مشترک ہیں۔ وہ

اعمال بھی ہیں جو تمام منافقوں میں پائے جاتے ہیں۔ قرآن وحدیث میں نفاق کے جو عنوان اور اوصاف بیان کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں۔

ا۔ ظاہر وباطن کا مختلف ہونا:

قال تعالیٰ: ﴿يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾[1]

ترجمہ:وہ کہتے ہیں اپنی زبانوں سے جو نہیں ہے ان کے دلوں میں۔

﴿الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ﴾[2]

ترجمہ: جو تمہارے معاملے میں منتظر ہیں پس اگر تمہیں فتح ہو اللہ کی طرف سے تو کہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے۔

۲۔ خود غرض اور موقع پرست:

﴿وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ﴾[3]

ترجمہ: اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ ایمان لاؤ جس طرح (مؤمن) لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جسطرح بےوقوف ایمان لائے۔

۳۔ اسلام کے زوال پر خوش اور ترقی دیکھ کر حسد:

﴿اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۫ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ﴾[4]

ترجمہ: اگر ملے تمہیں بھلائی بری لگے ان کو اور اگر پہنچے تم کو برائی، خوش ہوں اس سے۔

---

(1) القرآن، سورة سورة الفتح: ۱۱۔

(2) القرآن، سورة النساء: ۱۴۰۔

(3) القرآن، سورة البقرة: ۱۳۔

(4) القرآن، سورة آل عمران: ۱۲۰۔

۴۔ اسلام کے خلاف سازشیں:

﴿وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنۡ عِنۡدِكَ بَيَّتَ طَآىِٕفَةٌ مِّنۡهُمۡ غَيۡرَ الَّذِىۡ تَقُوۡلُ ؕ﴾[1]

ترجمہ:اور کہتے ہیں کہ بسر وچشم قبول کیا پھر جب باہر جاتے ہیں تمہارے پاس سے، تو تمہارے قول کے خلاف مشورہ کرتے ہیں۔

﴿ثُمَّ يَعُوۡدُوۡنَ لِمَا نُهُوۡا عَنۡهُ وَ يَتَنٰجَوۡنَ بِالۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ وَ مَعۡصِيَتِ الرَّسُوۡلِ ۡ﴾[2]

ترجمہ:(پھر وہی کرتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا اور سرگوشیاں کرتے ہیں گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی خاطر۔)

۵۔ مفاد پرست:

﴿يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّاۡمَنُوۡكُمۡ وَيَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ﴾[3]

ترجمہ: (چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے بھی اور اپنی قوم سے بھی۔)

منافق اہل حق اور اہل باطل دونوں سے فریب کارانہ راہ و رسم رکھتے تھے ہر ایک کی مخالفت سے امن حاصل رہے۔

۶۔ فتنہ پسند:

﴿كُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَى الۡفِتۡنَةِ اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا ۚ﴾[4]

ترجمہ: (جب کبھی فتنے سے دوچار ہوتے ہیں تو اس میں کود پڑتے ہیں۔)

---

(1) القرآن، سورۃ النساء: ۸۱ ۔

(2) القرآن، سورۃ المجادلۃ: ۷۔

(3) القرآن، سورۃ النساء: ۹۱ ۔

(4) القرآن، سورۃ النساء: ۹۱ ۔

۷۔ اسلام کے خلاف لوگوں کے دلوں میں بدگمانیاں پیدا کرنا:

﴿وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾[1]

ترجمہ: اور کہا اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہ مان لو جو کچھ اترا مؤمنوں پر صبح کے وقت اور انکار کرو شام کو، شاید کہ وہ پھر جائیں۔

۸ ۔ کفار سے دوستی:

﴿الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾[2]

ترجمہ:وہ لوگ دوست بناتے ہیں کافروں کو مؤمنوں کو چھوڑ کر۔

۹۔ اسلام کے مخالفین کو امداد کا وعدہ:

﴿وَّ اِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ﴾[3]

ترجمہ:اگر تم سے لڑائی ہوگی تو ہم تمہاری مدد کرینگے۔

۱۰۔قرآن کے بیان کردہ حقائق کا تمسخر:

﴿وَ لِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْكٰفِرُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا﴾[4]

ترجمہ: تاکہ کہیں وہ لوگ جنکے دل میں مرض ہے اور کافر کہ کیا غرض تھی اللہ کی اس مثال سے۔

---

(1) القرآن، سورۃآل عمران: ۷۲۔

(2) القرآن، سورۃالنساء: ۱۳۹۔

(3) القرآن، سورۃالحشر: ۱۱۔

(4) القرآن، سورۃالمدثر: ۳۱۔

منافقین نماز اور اذان کا بلکہ تمام شعار اسلامی کا مذاق اڑاتے تھے۔

﴿وَ اِذَا نَادَیۡتُمۡ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوۡھَا ھُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ﴾[1]

ترجمہ: اور جب تم پکارو نماز کے لیے تو وہ اسے ہنسی مذاق بناتے ہیں۔

﴿قُلۡ اَبِاللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوۡلِہٖ کُنۡتُمۡ تَسۡتَھۡزِءُوۡنَ ﴿۶۵﴾﴾[2]

ترجمہ: کہو کیا تم اللہ ، اسکی آیات اور اسکے رسول کا مذاق اڑاتے تھے۔

۱۱۔ فحش اور بد اخلاقی کی ترویج:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ یُحِبُّوۡنَ اَنۡ تَشِیۡعَ الۡفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾[3]

ترجمہ: جو لوگ چاہتے ہیں کہ بے حیائی کا چرچا ہو ایمان لانے والوں میں۔

۱۲۔ جھوٹی قسمیں کھانا:

﴿اِتَّخَذُوۡۤا اَیۡمَانَھُمۡ جُنَّۃً فَصَدُّوۡا عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ﴾[4]

ترجمہ: بنایا ہے انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال، پھر رک گئے ہیں اللہ کی راہ سے۔

۱۳۔ امت مسلمہ میں فرقہ بندی پھیلانا:

﴿وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مَسۡجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفۡرًا وَّ تَفۡرِیۡقًا﴾[5]

ترجمہ: جنہوں نے اس غرض سے مسجد تیار کی یہ مسلمانوں کو نقصان پہنچائیں۔کفر کریں اور تفریق پیدا کریں۔

---

(1) القرآن، سورۃالمائدہ: ۵۸۔

(2) القرآن، سورۃالتوبہ: ۶۵۔

(3) القرآن، سورۃالنور: ۱۹۔

(4) القرآن، سورۃالمنافقون: ۲۔

(5) القرآن ، سورۃ التوبۃ : ۱۰۷

منافقین سے

مکالمہ کا قرآنی اسلوب

منافقین سے مکالمہ کا قرآنی اسلوب

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۝۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ۝۹ؕ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ۬ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۝۱۰ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْۤا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۝۱۱ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ۝۱۲ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ۝۱۳ وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ۝۱۴﴾ [1]

ترجمہ: بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے ہیں حالانکہ درحقیقت وہ مؤمن نہیں ہیں وہ اللہ اور ایمان والوں کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں مگر در اصل وہ خود اپنے آپ ہی کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں۔ اور نہیں ان کو شعور نہیں ہے ان کے دلوں میں ایک بیماری ہے جسے اللہ نے اور زیادہ بڑھادیا۔ اور جو جھوٹ بولتے ہیں اس کی پاداش میں ان کے لیے دردناک سزا ہے جب کبھی ان سے کہا گیا کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو انہوں نے یہی کہا کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں خبردار حقیقت میں یہی مفسد ہیں مگر انہیں شعور نہیں ہے۔ جب ان سے کہا گیا کہ جسطرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں تم بھی لاؤ تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ کیا ہم بیوقوفوں کی طرح ایمان لائیں۔ حقیقت میں تو یہ خود بے وقوف ہیں مگر جانتے نہیں، جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اور جب علیحدگی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اصل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور لوگوں سے محض مذاق کر رہے ہیں۔)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ منافقوں کا ذکر فرمارہے ہیں اور انکی بیماری "منافقت" کا ذکر فرما رہے ہیں

---

(1) القرآن، سورۃ البقرۃ، ۷

اور اللہ کے اس بیماری میں اضافہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ منافقین کو ان کے نفاق کی سزا فوراً نہیں دیتا بلکہ انہیں ڈھیل دیتا ہے اور اس ڈھیل کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ منافق لوگ اپنے چالوں کو بظاہر کامیاب ہوتے دیکھ کر اور زیادہ مکمل منافق بنتے چلے جاتے ہیں۔[1]

ابن جریج فرماتے ہیں منافق کا قول اس کے فعل کے خلاف اسکا باطن ظاہر کے خلاف اسکا آنا جانے کے خلاف، اسکی موجودگی عدم موجودگی کے خلاف ہوا کرتی ہے۔[2]

چونکہ منافقوں کا ظاہر اچھا ہوتا ہے اسلیئے مسلمانوں پر حقیقت پوشیدہ رہ جاتی ہے وہ ایمانداروں کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے دھوکہ دے دیتے ہیں۔ اور ان کے بے حقیقت کلمات سے اور ان کفار کی پوشیدہ دوستیوں سے مسلمانوں کو خطرناک مصائب جھیلنے پڑتے ہیں۔ پس یہ منافقین فساد کے بانی ہیں۔ اگر یہ اپنے کفر پر ہی رہتے، تو ان کی خوفناک سازشوں اور گہری چالوں کا مسلمانوں کو اتنا نقصان ہرگز نہ پہنچتا، اور اگر مکمل طور پر مسلمان ہوجاتے اور ظاہر باطن یکساں کرلیتے، تب تو دنیا امن وامان کے ساتھ آخرت کی نجات وفلاح بھی پالیتے۔

﴿وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿١٦٧﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٦٨﴾﴾[3]

ترجمہ:جو نقصان لڑائی کے دن تمہیں پہنچا وہ اللہ کے اذن سے تھااور اسلیئے تھا کہ اللہ دیکھ لے تم میں سے مؤمن کون ہیں اور منافق کون وہ منافق کہ جب ان سے کہا آؤ اللہ کی راہ میں جنگ

---

(1) تفہیم القرآن، ج :اول، ص: ۵۳۔

(2) تفسیر ابن کثیر، ج:۱، ص۷۹ ۔

(3) القرآن، سورۃ آل عمران: ۱۶۶۔۱۶۸

کرو یا کم از کم مدافعت ہی کرو، تو کہنے لگے اگر ہمیں علم ہوتا کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔)

یہ واقعات جو احد میں وقوع پذیر ہوئے ان واقعات کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سکھایا یہ فتح وشکست کے بارے میں اسکی سنت کیا ہے۔ انہوں نے اللہ کی سنت اور اس شرط کی خلاف ورزی کی جو اس نے فتح کے لیے رکھی ہوئی تھی تو اس نے انہیں ان آلام اور ان مصائب سے دوچار کیا جو احد میں انہیں پیش آئے۔ اس مخالفت اور رنج والم کے پیچھے یہی تقدیر کام کررہی تھی کہ ان کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ اسلامی صفوں میں سے منافقین کو چھانٹ کر علیحدہ کرے۔ اس آیت میں عبداللہ بن ابی بن سلول اور اسکے ساتھیوں کے موقف کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ نے اس موقعہ پر ان کا پردہ فاش کردیا۔ اور اسلامی صفوں سے انہیں جدا کردیا۔ [1]

﴿وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِندِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّهِ وَكَفَى بِاللّهِ وَكِيلاً ﴿٨١﴾﴾ [2]

ترجمہ: (وہ منہ پر کہتے ہیں کہ ہم مطیع فرمان ہیں مگر جب تمہارے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ راتوں کو جمع ہوکر تمہاری باتوں کے خلاف مشورہ کرتا ہے، اللہ ان کی یہ ساری سرگوشیاں لکھ رہا ہے تم ان کی پرواہ نہ کرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو، وہی بھروسہ کے لیے کافی ہے۔)

منافق اور ضعیف الایمان لوگوں کی جس روش پر تنبیہ کی گئی ہے اسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ انہیں قرآن کے منجانب اللہ ہونے میں شک تھا۔ انہیں یقین نہ آتا تھا کہ رسول پر واقعی وحی اترتی ہے اور یہ جو کچھ ہدایات آرہی ہیں۔ براہ راست خدا ہی کے پاس سے آرہی ہیں۔[3]

یہاں منافقوں کا حال بیان ہورہا ہے۔ کہ ظاہری طور پر تو اطاعت کا اقرار موافقت کا اظہار ہے لیکن جہاں نظروں سے دور ہوئے یہاں سے ہٹ کر اپنی جگہ پہنچے کہ ایسے ہوگئے گویا ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا جو کچھ یہاں کہا تھا اسکے بالکل برعکس راتوں کو چھپ چھپاتے سرگوشیاں کرتے

---

(1) فی ظلال القرآن، ج :اول، ص ۷۹۴۔

(2) القرآن، سورۃ النساء : ۸۱۔

(3) تفہیم القرآن، ج: اول، ص ۳۷۶۔۳۷۷۔

بیٹھ گئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی ان پوشیدگیوں، چالاکیوں اور چالوں کو بخوبی جانتا ہے اسکے مقرر کردہ زمین کے فرشتے ان سب کرتوتوں اور ان تمام باتوں کو اسکے حکم سے ان کے نامہ اعمال میں لکھ رہے ہیں۔ پس انہیں ڈانٹا جارہا ہے کہ کہ کیا بیہودہ حرکت ہے؟ اس سے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اس سے تمہاری کوئی بات چھپ سکتی ہے ، جو تم ظاہر باطن یکساں نہیں رکھتے۔[1]

﴿وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ﴾[2]

ترجمہ: (جو برائیاں انہوں نے کمائی ہیں ان کی بدولت اللہ انہیں الٹا پھیر چکا ہے کیا تم چاہتے ہو کہ جسے اللہ نے ہدایت نہیں بخشی اسے تم ہدایت بخش دو۔)

یعنی منافق جس دورنگی اور مصلحت پرستی اور ترجیح دنیا بر آخرت کا اکتساب انہوں نے کیا ہے اسکی بدولت اللہ نے انہیں اسی کی طرف پھیر دیا ہے جس طرف سے یہ آئے ہیں۔ انہوں نے کفر سے نکل کر اسلام کی طرف پیش قدمی کی تو ضرور تھی مگر اس سرحد میں آنے اور ٹھہرنے کے لیے یکسو ہو جانے کی ضرورت تھی۔ ہر اس مفاد کو قربان کردینے کی ضرورت تھی جو اسلام و ایمان کے مفاد سے ٹکراتا ہو اور آخرت پر ایسے یقین کی ضرورت تھی جسکی بناء پر آدمی اطمینان کے ساتھ اپنی دنیا کو قربان کرسکتا ہو یہ ان کو گوارا نہ ہوا اس لیے جدھر سے آئے تھے اپنے پاؤں ادھر ہو واپس چلے گئے۔ [3]

﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَاۗىِٕرَةٌ ۭ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰي مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ۝﴾[4]

---

(1) تفسیر ابن کثیر، ج: اول، ص: ۶۵۸۔

(2) القرآن، سورۃ النساء: ۸۸۔

(3) تفہیم القرآن، ج: اول، ص ۳۸۰۔

(4) القرآن، سورۃ المائدۃ: ۵۲۔۵۳۔

ترجمہ:(تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے وہ انہی میں دوڑ دھوپ کرتے پھرتے ہیں، کہتے ہیں "ہمیں ڈر لگتا ہے کہ کہیں ہم کسی مصیبت کے چکر میں نہ پھنس جائیں مگر بعید نہیں کہ اللہ جب تمہیں فیصلہ کن فتح بخشے یا اپنی طرف سے کوئی اور بات ظاہر کرے گا تو یہ لوگ اپنے نفاق پر جسے یہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں نادم ہوں گے۔ اور اس وقت اہل ایمان کہیں گے کیا وہ وہی لوگ ہیں جو اللہ کے نام سے کڑی کڑی قسمیں کھا کر یقین دلاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ان کے سب اعمال ضایع ہوگئے اور آخرکار کہ ناکام ونامراد ہو کر رہے۔)

یعنی جو کچھ انہوں نے اسلام کی پیروی میں کیا، نمازیں پڑھیں روزے رکھے زکوۃ دی، جہاد میں شریک ہوئے، قوانین اسلام کی اطاعت کی، یہ سب کچھ اس بناء پر ضایع ہوگیا کہ ان کے دلوں میں اسلام کے لیے خلوص نہ تھا اور وہ سب سے کٹ کر صرف ایک خدا کے ہو کر نہ رہ گئے تھے بلکہ اپنی دنیا کی خاطر انہوں نے اپنے آپ کو خدا اور اسکے باغیوں کے درمیان آدھا آدھا بٹ رکھا تھا۔(1)

﴿لَاتَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمٰنِكُمۡ ؕ اِنۡ نَّعۡفُ عَنۡ طَآٮِٕفَةٍ مِّنۡكُمۡ نُعَذِّبۡ طَآٮِٕفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۶۶﴾﴾(2)

ترجمہ: (منافقو! باتیں نہ بناؤ، یقیناً تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف بھی کردیں تو دوسرے لوگوں کو ضرور عذاب دیں گے کیونکہ وہ مجرم ہیں۔)

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نفاق اور وہ منافقانہ رویہ جو جان بوجھ کر اختیار کیا جائے اسکا مقام اور ہے اور جو محض جہالت یا بے پروائی یا ضعف نفس کی بنا پر ہو اسکا مقام اور ہے۔

یعنی وہ کم عقل مسخرے تو معاف بھی کیے جاسکتے ہیں جو صرف اس لیے ایسی باتیں کرتے ہیں اور ان میں دلچسپی لیتے ہیں کہ ان کے نزدیک دنیا میں کوئی چیز سنجیدہ نہیں لیکن جن لوگوں نے جان بوجھ کر یہ باتیں اسلیئے کی ہیں کہ وہ رسول اور اسکے لائے ہوئے دین کو اپنے دعوے

---

(1) تفہیم القرآن، ج : اول، ص:۴۸۱۔

(2) القرآن، سورۃالتوبہ: ٦٦۔

ایمان کے باوجود ایک مضحکہ سمجھتے ہیں اور جن کے اس تمسخر کا اصل مدعا یہ ہے کہ اہل ایمان کی ہمتیں پست ہوں اور پوری قوت کے ساتھ جہاد کی تیاری نہ کرسکیں ان کو تو ہرگز معاف نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ مسخرے نہیں بلکہ مجرم ہیں۔[1]

﴿قُلۡ اَنۡفِقُوۡا طَوۡعًا اَوۡ كَرۡهًا لَّنۡ يُّتَقَبَّلَ مِنۡكُمۡ‌ ؕ اِنَّكُمۡ كُنۡتُمۡ قَوۡمًا فٰسِقِيۡنَ﴿۵۳﴾﴾[2]

ترجمہ: (اے پیغمبر ان منافقوں سے کہہ دو کہ خواہ تم خوشی سے صدقہ دو یا زبردستی، (خدا کے ہاں بہر حال) ہرگز قبول نہ ہوگا کیونکہ تم دانستہ نافرمانی کرنے والے لوگ ہو۔)

معلوم ہوا کہ منافقوں کا کوئی عمل خدا کے حضور میں مقبول نہ ہوگا کیونکہ یہ لوگ بظاہر جو کچھ بھی اسلامی طرز کے اعمال کرتے ہیں وہ جذبہ ایمانی کے تحت نہیں کرتے بلکہ صرف دکھاوے کے لیے کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں تو ایمان کے روشنی کا گزر ہی نہیں وہاں تو فسق ہے جو ضد ایمان ہے۔ کی تاریکی چھائی ہوئی ہے یہ گمان نہ ہو کہ اس آیت میں تو صرف ان کے صدقات ہی کے نامقبول ہونے کا ذکر ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ فسق باطن کی جو آگ ان کے صدقات کو کھاجائے گی وہی ان کے ایک ایک عمل کو خاکسر بنا کر رکھ دے گی۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الۡمُنٰفِقِيۡنَ وَالۡمُنٰفِقٰتِ وَالۡكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا‌ ؕ هِىَ حَسۡبُهُمۡ‌ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ‌ ۚ وَلَهُمۡ عَذَابٌ مُّقِيۡمٌ ۙ﴿۶۸﴾﴾[3]

ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار، سب کے لیے جہنم کا وعدہ کر رکھا ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں وہ ان کے لیے بالکل کافی ہے، خدانے ان پر لعنت کر دی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔)

منافق یاد الٰہی بھلائے رہتے ہیں اسی کے بدلے اللہ تعالیٰ ابھی ان کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جیسے کسی کو کوئی بھول گیا ہو۔ قیامت کے دن یہی ان سے کہا جائے گا کہ آج ہم تمہیں ٹھیک اسی طرح بھلادیں گے جیسے تم اس دن کی ملاقات کو بھلائے ہوئے تھے۔

---

(1) تفہیم القرآن، ج: دوم، ص:۲۱۱۔

(2) القرآن، سورۃ التوبہ: ۵۳۔

(3) القرآن، سورۃ التوبہ: ۶۸۔

منافق راہ حق سے دور ہوگئے ہیں۔ گمراہی کی چکردار بھول بھلیوں میں پھنس گئے ہیں۔ ان منافقوں اور کافروں کی ان بد اعمالیوں کی سزا ان کے لیے اللہ تعالیٰ جہنم کو مقرر فرماچکا ہے۔ جہاں وہ ابدالآباد تک رہیں گے وہاں کا عذاب انہیں بس ہوگا انہیں رب رحیم اپنی رحمت سے دور کرچکا ہے اور ان کے لیے اس نے دائمی اور دیرپا عذاب رکھے ہیں۔ [1]

کفار اور منافقین دونوں کے لیے نار جہنم کی سزا تو ضرور ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ منافقین کا مقام کافروں سے بھی بہت آگے ہے۔

﴿إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾﴾ [2]

ترجمہ: (بے شک منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہونگے۔)

یہ بالکل تقاضائے عدل ہے اور کفر کے مقابلہ میں جرم نفاق کی سنگینی واضح ہوجاتی ہے اور منافق، کفار کے مقابلہ میں حق کے زیادہ خطرناک اور بدخواہ دشمن ہیں۔ علاوہ تریں کافر کے اندر ساری کجرویوں اور گمراہیوں کے باوجود ضمیر ہوتا ہے اور ضمیر میں خودی اور خود داری کی روح ہوتی ہے۔ وہ اپنے مسلک کو حق سمجھ کر اس پر اڑ جاتا ہے اور اسکے خلاف ہر آواز کو باطل یقین کرکے اسکا دشمن بنتا ہے۔ مگر یہ بدبخت اور ننگ انسانیت، منافق اس ایک خوبی سے بھی محروم ہوتا ہے۔ نفس پرستی کے سوا اسکا کوئی مسلک ہی نہیں ہوتا۔ وہ مادیات کے عشق میں اپنے ضمیر کو بالکل پست، بے حس اور ذلیل بنالیتا ہے اور اس پوری تیاری کے ساتھ خدا کے حضور میں جاتا ہے کہ "درک السفل" کے سوا اور کسی جگہ رہنے کے قابل نہیں ٹھیرتا۔

﴿اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ۭ﴾ [3]

ترجمہ: (یہی شیطان کی پارٹی ہیں)

---

(1) تفسیر ابن کثیر، ج: دوم، ص: ۳۹۷۔

(2) القرآن، سورۃ النساء: ۱۴۵۔

(3) القرآن، سورۃ المجادلۃ: ۱۹۔

یہ نظریہ ہے کہ مؤمن تو اللہ کی پارٹی ہیں لیکن یہ منافق شیطان کی پارٹی ہیں۔ جیسے خواہ یہ لاکھ اظہار ایمان کریں، ملت اسلامیہ یعنی حزب اللہ سے انکا کوئی ربط نہیں یہ کبھی بھی ملت میں شمار نہ کئے جائیں۔

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ﴾[1]

ترجمہ: (اور ان منافقوں میں سے اگر کوئی مرجائے تو کبھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اسکی قبر پر (دعائے مغفرت کے لیے) کھڑے ہونا۔)

اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے آنحضرتؐ منافقوں کی نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن ابی جیسے منافق کی بھی آپؐ نے نماز جنازہ پڑھی۔ اسی موقع پر یہ حکم آیا اور اسکے بعد آپؐ نے کسی منافق کی نماز نہیں پڑھی۔

---

(۱) القرآن، سورۃ التوبہ: ۸۴۔

نتائج بحث

در حقیقت اسلام کی دعوت ہر خاص وعام کو دینا ہی دین کا خاص وصف ہے اور مکالمہ بھی دین اسلام کی دعوت کا ایک ذریعہ ہے۔ اور اسکا مقصد ہر خاص وعام، دوست دشمن اور ہر مذہب کے ماننے والے کو اسلام کے قریب لانا اور اسلام کی حقانیت ان پر واضح کرنا ہے۔ ہر متنفس پر تبلیغ حق فرض ہے اور ہر انسان اپنی استطاعت کے مطابق اس ذمہ داری کو ادا کریگا مکالمہ بھی در حقیقت تبلیغ دین کا ایک ذریعہ ہے۔مکالمہ کے ذریعہ ذہنوں میں پہلے سے موجود تعصب، نفرت اور مقابلے کے رجحانات کا خاتمہ کیا جاتا ہے تاکہ آئندہ کے لیے ربط وتعلق کے راستے بڑھیں، مختلف مذاہب اور ثقافتیں قریب آئیں دوستانہ ماحول میں ایک دوسرے کے نظریات سمجھنے اور پرکھنے کا موقع ملے۔

قرآن میں اللہ نے مکالمہ کا عقلی اسلوب استعمال کیا ہے۔ اور یہود، نصاری، مشرکین اور منافقین سے مکالمہ کرتے ہوئے عقلی دلائل سے خطاب کیا ہے۔اللہ کا مکالمہ کا اسلوب انتہائی سادہ ہے۔جو ہر شخص کے لیے قابل فہم ہے۔

کیونکہ اس صدی میں انفارمیشن ٹیکنالوجی اور عالمگیریت کے نتیجے میں دنیا کے فاصلے سمٹ گئے ہیں اقوام ایک دوسرے کے قریب آگئی ہیں اور باہمی تعلقات کو فروغ حاصل ہوا ہے۔ انٹرنیٹ اور میڈیا نے روابط بڑھانے اور ایک دوسرے کی تہذیب وتمدن، مذہبی عقائد اور معاشرتی رجحانات کو سمجھنے میں آسانی پیدا کردی ہے، اس ماحول میں مکالمہ بہت اہمیت اختیار کرگیا ہے بلکہ یہ موجودہ دنیا کی ایک ضرورت ہے جسکے ذریعے ہم مغرب کی ثقافتی اور تہذیبی یلغار اور اسلام کے خلاف غلط فہمیوں کا سدِ باب کرسکتے ہیں قرآن کریم لازوال حقائق پر مبنی سچی کتاب ہے اس کتاب میں کوئی مشکل، ناقابل فہم علوم نہیں ہیں۔ جو ایک باشعور عالم کو سمجھ نہ آسکیں دور حاضر میں جدید علوم وفنون نے حیران کردیا ہے۔ ٹیکنالوجی، طب، معاشیات اور دیگر سائنسی علوم کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ اور میڈیا کی ترقی نے دور حاضر کو تمام سابقہ ادوار سے ممتاز کردیا ہے۔ قرآن کریم ذرائع ابلاغ اور میڈیا کے لیے بھی ہدایت ورہنمائی کا سرچشمہ ہے۔ قرآن کے اسلوبِ دعوت تبلیغ، انبیاء کے قصے اور سابقہ قوموں کے واقعات سے ذرائع ابلاغ کو قرآنی اسلوب میں ڈھال کر دعوت دین کے میدان میں جدت اور تیزی لائی جاسکتی ہے۔ میڈیا پر آجکل سب سے زیادہ مکالماتی اسلوب برتا جاتا ہے بلاشبہ مکالمہ دو یا دو سے زیادہ افراد کی ایسی باہمی گفتگو ہوتی ہے جسمیں موضوع متعین ہو اور

فریقین دوستانہ ماحول میں دلائل کی روشنی میں پورے اخلاص سے ایک دوسرے کے مؤقف کو سنیں اور جواب دیں، قرآن پاک کے اندر بے شمار علوم وفنون کے خزانوں میں سے ایک مکالمہ بھی ہے۔ قرآن میں موجود سینکڑوں کی تعداد میں مکالمات دور حاضر میں رائج مکالماتی اسلوب کی اہمیت بیان کرنے اور ہمیں دین اسلام کی دعوت پوری دنیا تک پہنچانے کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔

قرآن میں موجود مکالمات بنی نوع انسان کے لیے بہترین ہدایت ورہنمائی، عبرت اور نصیحت ہیں اور ان میں اس قدر مضبوط، مستحکم اور عقلی دلائل پیش کیے گئے ہیں کہ جو بھی قرآن میں ان مکالمات کو پڑھتا ہے وہ حق کا قائل ہوجاتا ہے۔

مصادر و مراجع

- القرآن الکریم
- ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری، مترجم مولانا ظہور الباری، صحیح بخاری، مکتبۃ دار الاشاعت، کراچی، ط: دن۔
- مسلم بن الحجاج النیسابوری، صحیح مسلم، مکتبۃ علی وبیح، القاہرۃ۔
- الترمذی، محمد بن عیسی، ـــ عبدالرحمٰن عثمان، الترمذی۔ دار الفکر، بیروت، ط: سوم، (۱۹۷۸م)
- سنن ابو داؤد امام ابو داؤد سلیمان اشعث سجستانی، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور پاکستان۔
- جامع ترمذی، امام محمد بن عیسیٰ ترمذی مطبع نور محمد کراچی۔
- سنن نسائی، امام احمد بن شعیب نسائی، مکتبہ رحمانیہ لاہور، پاکستان۔
- سنن ابن ماجہ، امام محمد بن یزید بن ماجہ، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان

(الف)

- ابن حمید، صالح بن عبداللہ، معالم فی منہج الدعوۃ، دار الاندلس الخضراء، جدۃ (۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹-م)
- ابن عربی، محی الدین، نصوص من الحکم، تعلیق ابو العلا الحفیفی، دار الکتاب العربی، بیروت، ط: دوم، (۱۹۳۰م)
- ابن عطیہ اندلسی، ابو محمد عبدالحق، المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط: اولی (۱۴۱۳ھ — ۱۹۹۳م)
- ابن فارس، ابو الحسین احمد بن زکریا، معجم مقاییس اللغۃ، دار الفکر بیروت (۱۳۹۹ھ — ۱۹۷۹م)
- ابن قدامۃ، عبداللہ بن قدامۃ المقدسی، المغنی لابن قدامۃ، مطبوعات رئاسۃ ادارۃ البحوث العلمیۃ، مکتبۃ الریاض الحدیث الریاض، السعودیۃ (۱۹۸۱م)
- ابن قیم الجوزیۃ، مدارج السالکین، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، (۱۹۷۲م)
- ابن قیم جوزیۃ، الروح، تح: السید الجمیلی، دار الکتب العربی، بیروت، ط: ۵، (۱۹۹۱م)
- ابن کثیر، ابو الفداء الدمشقی، قصص الانبیاء، مترجم: عطاء اللہ ساجد، دار السلام، لاہور۔ (ھ — م)
- ابن کثیر، ابو الفداء حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر، قصص الانبیاء، ط: اولیٰ، لج، دار الفکر، بیروت، (۱۴۰۳ھ — ۱۹۸۳م)
- ابن کثیر، ابو الفداء حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر، مترجم محمد جوناگڑی، تفسیر ابن کثیر، مکتبۃ اسلامیہ۔

(۲۰۰۶م)

- ابن کثیر، اسماعیل بن کثیر الدمشقی، تفسیر القرآن العظیم (تفسیر ابن کثیر)، دار احیاء التراث العربی، بیروت، (۱۹۶۹م)
- ابو الاعلی، مودودی، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن۔
- ابو الحسن علی بن الاثیر الجزری، الکامل فی التاریخ، دار الفکر العربی، بیروت۔
- ابو السعود، تفسیر ابی سعود او ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم۔
- ابو حیان، محمد بن یوسف، البحر المحیط، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط: اولی، (۱۴۱۳ھ — ۱۹۹۳م)
- ابو حیان، محمد بن یوسف، البحر المحیط، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط: اولی، (۱۴۱۳ھ — ۱۹۹۳م)
- اسرار الرحمٰن بخاری، اسلام اور مذاہب عالم، ایورنیو بک پیلس، لاہور۔
- اعداد الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی، فی اصول الحوار، الریاض، السعودیۃ۔
- البغوی، ابو حسین محمد بن مسعود، تفسیر البغوی المسمی معالم التنزیل، دار المعرفۃ، بیروت، ط: اولی، (۱۴۰۶ھ — ۱۹۸۶م)
- الجرجانی، علی بن محمد الشریف، کتاب التعریفات، مکتبۃ لبنان، بیروت، (۱۹۸۵م)
- الجوہری، اسماعیل بن حماد، الصحاح تاج اللغۃ وصحاح العربیۃ، دار العلم للملایین، ط: سوم (۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴م)
- الحاکم النیسابوری، المستدرک علی صحیحین، دار المعرفۃ بیروت۔
- الخالدی، صلاح عبد الفتاح، الاتباع والمتبوعین فی القرآن، دار المنار، عمان، ط: اولی، (۱۴۱۷ھ — ۱۹۹۶م)
- الخطیب، عبد الکریم، القصص القرآنی من العالم المنظور وغیر المنظور، مؤسسۃ الدراسۃ، ط: اولی، (۱۴۰۵ھ — ۱۹۸۴م)
- الرازی، محمد بن عمر بن الحسین، التفسیر الکبیر، ج۸، دار الفکر، بیروت، (۱۳۹۸ھ — ۱۹۹۳م)
- الرازی، محمد بن عمر بن الحسین، التفسیر الکبیر، دار الفکر، بیروت (۱۳۹۸ھ — ۱۹۷۸م)
- الزحیلی، التفسیر المنیر فی العقیدہ والشریعۃ والمنہج، ط: اولی، ۶ج، دار الفکر، بیروت، (۱۴۱۱ھ — ۱۹۹۱م)
- الزمخشری ابو القاسم محمود بن عمر، تفسیر الکشاف، ۴ج، دار المعرفۃ، بیروت (د-ط)
- السری بن الحکم، شیاد حمزہ، دائرۃ المعارف اسلامیۃ، ط: اولی، لاہور، (۱۹۷۵م)
- السیوطی، جلال الدین، لباب النقول فی اسباب النزول، الدار التونسیۃ للنشر، تونس، (۱۹۸۸م)
- الشیخ نظام وجماعۃ من العلماء الھند، الفتاوی الھندیۃ، (العالمکیریہ)، المکتبۃ الاسلامیۃ، دیار بکر، ترکیۃ، ط: سوم (۱۹۷۳م)
- الصابونی، محمد علی، دار السلام، قبس من نور القرآن، ط: اولی، (۱۴۱۸ھ — ۱۹۹۷م)
- الصابونی، محمد علی، صفوۃ التفاسیر۔
- الطبری، محمد بن جریر، تاریخ الرسل والملوک، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط: دوم، (۱۹۸۸م)

- الطبری، محمد بن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، تح، محمود احمد شاکر، دار المعارف، القاھرۃ۔
- العسقلانی، احمد ابن حجر، فتح الباری، مطبعۃ الریاض، ط: اولی۔
- العسقلانی، احمد بن حجر، الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، وبھامشہ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ابن عبد البر الاندلسی، دار الکتاب العربی بیروت۔
- الغزالی، ابو حامد محمد بن محمد، احیاء العلوم الدین، دار الوثائق، القاھرۃ، ط: اولی، (۱۴۲۰ھ ــ ۲۰۰۰م)
- الفیروزآبادی، القاموس المحیط، المطبعۃ الحسینیۃ المصریۃ، قاھرۃ، ط: دوم (۱۳۴۴ھ ــ ۱۹۷۴م)
- القرطبیؒ، ابو عبداللہ محمد بن احمد، تفسیر القرطبیؒ، "الجامع لاحکام القرآن" ۲۰ مج، (د-ط)
- القرطبیؒ، ابو عبد اللہ محمد بن احمد الغاری، الجامع الاحکام القرآن،
- الموسسۃ العربیۃ، موسسۃ السیاسیۃ، اسسا عبدالوھاب الکیالی، للدراسات والنشر، بیروت۔
- امین احسن اصلاحی، حقیقت شرک وتوحید، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ط: اولی، (۲۰۰۶م)
- انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا، "القالہ صلیب"، ج: ۶، ص ۷۵۳، (۱۹۵۸م)

(ب)

- بسّام داؤد عجک، الحوار الاسلامی المسیحی، دار قطیبۃ لطباعۃ والنشر والتوزیع، السعودیۃ العربیۃ، ط: اولی، (۱۴۱۸ھ ــ ۱۹۹۸م)
- پاکستان بائیبل سوسائٹی، انجیل مقدس، لاہور (۱۹۸۵م)

(ت)

- تقی عثمانی، عیسائیت کیا ہے، دار الاشاعت، کراچی۔

(خ)

- خواجہ کمال الدین، ینابیع المسیحیۃ، تعریب: اسماعیل حلیمی البارودی، منشورات الجنۃ المحققین، لندن، ۱۹۰۰م

(د)

- دکتور احمد شبلی، مقارنۃ الادیان "الیھودیۃ" مکتبۃ النھضۃ، المصریۃ، (۱۹۶۶م)
- دیماس، محمد راشد، فنون الحوار و الاقناع، دار ابن حزم، ط: اولی، (۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹م)
- دیماس، محمد راشد، فنون الحور والاقناع، دار ابن حزم، ط: اولی، (۱۴۲۰ھ ــ ۱۹۹۹م)

(س)

- ساجد میر، عیسائیت تجزیہ و مطالعہ، دار السلام، لاہور۔
- سید قطب شہید، مترجم سید معروف شاہ شیرازی، فی ظلال القرآن، ادارہ منشورات اسلامی، لاہور، (۱۹۹۸م)

(ش)

- شاہ ولی اللہ، البدور البازغۃ، مترجم: مجیب الرحمٰن وزارت مذھبی امور، اسلام آباد۔
- شاہ ولی اللہ، الخیر الکثیر، مکتبہ رحیمیہ، اکوڑہ خٹک، پشاور۔
- شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، مترجم، خلیل بن احمد بن سراج، مکتبۃ رحمانیۃ، لاہور۔

(ص)

- صدیق قنوجی، ابجد العلوم، ترتیب: عبدالجبار زکار وزارۃ الثقافۃ، سوریۃ، لجنۃ احیاء التراث العربی، دمشق [illegible]۔

ت)

(ع)

- عبدالحلیم حنفی، اسلوب المحاورۃ فی القرآن الکریم، طبعۃ السنۃ المحمدیۃ، القاھرۃ، (۱۹۷۷م)
- عبداللہ حمیدی، المنافقون فی القرآن الکریم، دار المجتمع للنشر والتوزیع، العربیۃ السعودیۃ، ط: اولی، (۱۹۸۹م)
- عبداللہ سراج الدین، حلب، سردیۃ، سیدنا محمد رسول اللہ، جمعیۃ التعلیم الشرعی، ط: دوم، (۱۹۷۸م)
- عبدالملک بن ہشام المعافری، السیرۃ النبویۃ، تح: سقاوابیاری وشبلی، دار ابن کثیر، دمشق۔
- عوام الدین حفنی ناصف، المسیح فی مفہوم معاصر، دار الطلیعۃ، بیروت، (۱۹۷۹م)

(ف)

- فتح القدیر بین فنی الروایۃ والدرایۃ من علم التفسیر، تحقیق، ہشام البخاری وخضر عکاری، ط: المکتبۃ العصریۃ بیروت، (۱۴۱۸ھ — ۱۹۹۷م)
- فضل اللہ محمد حسین، الحوار فی القرآن، قواعدہ، اسالیبہ، معطیاتہ، دار الملاک، بیروت، ط: اولی، (۱۴۲۲ھ — ۲۰۰۱م)

(م)

- مجمع اللغۃ العربیۃ، المعجم الوسیط، القاھرۃ، دار الاحیاء التراث العربی، بیروت، ط: دوم۔
- محمد بن سعد، الطبقات الکبری، تح، احسان عباس، دار صادر، بیروت۔
- محمد بن علی الحصکفی، الدر المختار علی تنویر الابصار، دار احیاء التراث العربی، بیروت
- محمد بن قیم الجوزیۃ، ہدایۃ الحیاری من الیہود والنصاری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ط: اولی (۱۹۸۷م)
- محمد بن قیم الجوزیۃ، ہدایۃ الحیاری من الیہود والنصاری، مترجم علامہ زبیر احمد، یہود ونصاری تاریخ کے آئینہ میں، مکتبۃ البخاری، کراچی، ط: اولی (ھ — م)
- محمد حفظ الرحمٰن، سیوھاری، قصص الانبیاء واصحاب الصالحین، ادارۃ الحرم، رائیونڈ۔ (۱۴۰۸ھ)

- محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعھد النبوی والخلافۃ الراشدۃ، محمد حمید اللہ، دار النفائس، بیروت، ط: پنجم (۱۹۸۵م)۔
- محمد رشید رضا، تفسیر المنار (تفسیر القرآن الحکیم)، دار المعرفۃ، بیروت، ط: دوم۔
- محمد فواد عبد الباقی، المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم، مؤسسۃ جمال للنشر، بیروت۔
- مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ادارہ معارف، کراچی، (۲۰۰۴م)
- مولانا مودودی، یہودیت قرآن کی روشنی میں، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور۔

- A Companion to the Bible, H.H.Row Ley (editor) Edinburgh, 1963.
- An introduction to the Bible, R.H Horton, London, 1974.
- Basic writing of St. Augustine, translated, by A.W Hadden and edited by Whitney J-Oats, New York, 1948.
- Christian ethics and modern problems, W.R. Inge, London, 1930.
- Christianity, Encyclopedia of religion and Ethics.
- Credo, a Catholic Catechism by German Catechetical Association, London. 1984.
- Dictionary of the Bible, James Hastings, Edinburgh. 1963.
- Early Christian Creeds, J.N.D Kelly, London, 1972.
- Encyclopedia Britannica, London, 1950
- Great Religion by which menlive, Floyd, H.Ross and tynette Hills, New York.
- In search of Historic Jesus, L.Roddy and C.E Sellier, New York, 1979.
- Jesus in his time, Daniel-Rops (Translated by R.W Millar), London, 1956.
- Jesus or Paul', Arnold Meyer, Translated by: J.Wilkinton, London and New York.
- Saint Paul The Traveller, W.M.Ramsay, London, 1070.

- The American People's Encyclopedia, Chicago, 1960.
- The Religion of Man, Huston smith, New York 1965.
- 'Trinity', Encyclopedia Britaica, 1950.
- کتاب پیدائش The Holy Scriptures, Jewish Publication Society of America, 1954, verse: 25-29.

فہرست آیات قرآنیۃ

نمبر شمار	سورۃ کا نام	آیات	آیت نمبر	صفحہ نمبر
1.	البقرۃ	ومن الناس من یقول اٰمنّا ــــــ مستھزؤن	۷-۱۴	[illegible]
2.	البقرۃ	واذا قیل لھم ــــــ السفھاء	۱۳	۱۵
3.	البقرۃ	واذ قال ربک ــــــ ما لا تعلمون	۳۰	[illegible]
4.	البقرۃ	واذ قال ربک للملئکۃ ــــــ العلیم الحکیم	۳۰-۳۲	[illegible]
5.	البقرۃ	واذ قلنا ادخلوا ــــــ یفسقون	۵۸-۵۹	۱۹
6.	البقرۃ	واذقلتم یٰموسیٰ ــــــ یحزنون	۶۱-۶۲	۲۰
7.	البقرۃ	واذ اخذنا میثاقکم ــــــ الخٰسرین	۶۲-۶۳	۲۲
8.	البقرۃ	فویل للذین یکتبون ــــــ ثمنًا قلیلا	۷۹	۲۳
9.	البقرۃ	افتؤمنون ببعض الکتاب ــــــ ینصرون	۸۵-۸۶	۲۸
10.	البقرۃ	ولقد اٰتینا موسیٰ ــــــ تقتلون	۸۷	۳۳
11.	البقرۃ	واتقوا یوما لا تجزی ــــــ ینصرون	۴۸	۳۴
12.	البقرۃ	ودّ کثیر من اھل الکتٰب ــــــ قدیر	۱۰۹	۳۶
13.	البقرۃ	وقالوا لن ید خل ــــــ ان کنتم صٰدقین	۱۱۱	[illegible]
14.	البقرۃ	وقالت الیھود لیست النصٰری ــــــ الخ	۱۱۳	[illegible]
15.	البقرۃ	وقالت الیھود لیست ــــــ فیہ یختلفون	۱۱۳	[illegible]
16.	البقرۃ	وقالوا کونوا ھودًا ــــــ من المشرکین	۱۳۵	[illegible]
17.	البقرۃ	قولوا اٰمنّا باللہ وما ــــــ لہ مسلمون	۱۳۶	۳۲
18.	البقرۃ	ولئن اتبعت ــــــ اذًا لمِنَ الظٰلمین	۱۴۵	۳۳
19.	البقرۃ	ومن الناس من یتخذ من ــــــ من النار	۱۶۵-۱۶۷	[illegible]

نمبر	سورۃ	آیت	آیت نمبر	صفحہ
42.	آل عمران	واذ اخذ الله میثاق ------مایشترون	٨٧	[illegible]
43.	آل عمران	وما أصابکم یوم التقی الجمعٰن ----اتبعتکم	١٦٦-١٦٧	[illegible]
44.	النساء	من الذین ھادو------عن مواضعه	٤٦	[illegible]
45.	النساء	ویقولون طاعة فاذا ------الذی تقول	٤٨	٥٥
46.	النساء	ویقولون طاعة فاذا ------الذی تقول	٤٨	[illegible]
47.	النساء	ان الله لایغفر ان یشرک ------اثمًا مبینًا	٤٨	[illegible]
48.	النساء	ام یحسدون الناس ------ملکًا عظیمًا	٥٤	[illegible]
49.	النساء	ویقولون طاعة فاذا برزوا ------بالله وکیلًا	٨١	٤٧
50.	النساء	یریدون ان یأمنوا ویأمنوا قومھم	٩١	[illegible]
51.	النساء	کلما ردوا الی الفتنة ارکسوا فیھا	٩١	[illegible]
52.	النساء	لَا خیر فی کثیر من ------اجرًا عظیمًا	١١٤	٥
53.	النساء	ان الله لایغفر ------ضلالًا بعیدًا	١١٦	٥٥
54.	النساء	الذین یتخذون الکٰفرین ------المؤمنین	١٣٩	[illegible]
55.	النساء	ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار	١٤٥	[illegible]
56.	النساء	الزین یتربصون بکم ------تکن معکم	١٤٠	[illegible]
57.	النساء	فبظلم من الذین----------کثیرا	١٦٠	[illegible]
58.	النساء	الذین کفروا------ضلالًا بعیدا	١٦٧	[illegible]
59.	النساء	یأَھل الکتٰب لاتغلوا ------الیه جمیعًا	١٧١-١٧٢	[illegible]
60.	المائدۃ	ومن الذین ------بما کانو یصنعون	٤١	[illegible]
61.	المائدۃ	لقد کفر الذین قالوا ------والارض	١٧	[illegible]
62.	المائدۃ	وقالت الیھود والنصری ------ممن خلق	١٨	[illegible]
63.	المائدۃ	واذ قال موسی لقومه ------العٰلمین	٢٠	[illegible]

108.	کہف	قل انما انا بشر۔۔۔۔۔۔الہ واحد	۱۱۰	۴۵?
109.	مریم	واذکر فی الکتٰب۔۔۔۔۔۔بی حفیا	۴۱-۴۷	۴۵
110.	مریم	واذکر فی الکتاب ابراھیم انہ کان صدیقاً نبیًا	۴۱	
111.	مریم	واذ قال لابیہ یا أبت لم تعبد مالا یسمع	۴۲	
112.	مریم	واذکر فی الکتٰب موسی۔۔۔۔۔۔نبیًا	۵۱-۵۲	
113.	مریم	افرأیت الذی کفر بأیاتنا وقال لاتین مالًا	۷۷	
114.	مریم	واتخذوا من دون اللہ۔۔۔۔۔۔ضدًا	۸۱-۸۲	۵
115.	طه	فقولا لہ قولا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یخشی	۴۴	
116.	الانبیاء	انکم وما تعبدون من۔۔۔۔۔۔لھا واردون	۹۸	۵۳?
117.	المؤمنون	فاوحینا الیہ ان اصنع۔۔۔۔۔۔لقوم الظلمین	۲۷-۲۸	
118.	النور	ان الذین یحبون۔۔۔۔۔۔فی الذین اٰمنوا	۱۹	
119.	الشعراء	وتلک نعمة۔۔۔۔۔۔بنی اسرائیل	۲۲	
120.	القصص	طٰسٓمٓ۔۔۔۔۔۔كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ	۱-۶	
121.	القصص	فلما جاء ھم موسی۔۔۔۔۔۔الاولین	۳۶	
122.	القصص	الذین اٰتینٰھم الکتٰب۔۔۔۔۔۔نبتغی الجٰھلین	۵۲-۵۵	۵۶
123.	العنکبوت	فاذا رکبوا فی الفلک۔۔۔۔۔۔الخ	۶۵	۵۳
124.	العنکبوت	ولا تجادلوا اھل الکتاب	۴۶	
125.	الروم	ولم یکن لھم من شرکائھم۔۔۔۔۔۔الخ	۱۳	۵۰
126.	لقمان	ومن الناس من یجادل۔۔۔۔۔۔کتٰب منیر	۲۰	
127.	لقمان	لقد من اللہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ضلل مبین	۱۳	
128.	الاحزاب	لیَجزیَ اللہ الصّٰدقین۔۔۔۔۔۔غفورًا رحیمًا	۲۴	
129.	الاحزاب	ان المسلمین والمسلمٰت۔۔۔۔۔۔عظیما	۳۵	

152.	الحشر	وان قوتلهم لَنَنصُرَنَّكُمْ	۱	۲۷
153.	الحشر	وتلک الامثال یضربها للناس لعلهم یتفکرون	۲۱	۹
154.	المنافقون	اتخذوا ایمانهم جنة فصدوا عن سبیل الله	۲	۲۸
155.	المدثر	ولیقول الذین ------بھٰذا مثلا	۳۲	۲۷
156.	البینة	وما امروا الا ------له الدین	۵	۲

فہرست احادیث

نمبر شمار	احادیث	کتاب کا نام	صفحہ نمبر
.1	اللھم انی اعوذبک من الحور بعد الکور	صحیح ابن خزیمہ	5
.2	بینما نحن جلوس ------دینکم	صحیح مسلم	9
.3	ان رجلاً انکر ولدہ------نزعه	صحیح البخاری	9
.4	فأنطلقت به خديجة------ورقه ان توفى	الجامع الصحيح	54
.5	لاتسبوا ورقة، ------جنتين	الجامع الترمذی	54
.6	وما تواضع------رفع الله	الجامع الترمذی	17
.7	وما تواضع------	صحیح مسلم	17
.8	ان ابغضكم ------المفهيقون	الجامع الترمذی	17
.9	کفی بالمرءِ کذباً------	صحیح مسلم	18
.10	يسروا ولا تعسروا، وبشروا ولا تنفروا	الجامع الصحيح	32
.11	ان كان ما تقول-----------قدميه	الجامع الصحيح	64
.12	والمسيح لقب لسيدنا-------معناه صديق	الجامع الصحيح	72
.13	لا رهبانية فى-----------	مسند احمد	96
.14	کریم یبن کریم--------	الجامع الصحيح	104

نمبر	حدیث	ماخذ	صفحہ
15.	اربع من کن----------	الجامع الصحیح	162
16.	اربع من کن----------	صحیح مسم	162
17.	ما خافه-------------الا منافق	الجامع الصحیح	164
18.	والله ما معنی-------------الا منافق	فتح الباری	164